باسمہ تعالیٰ شانہٗ

حیات (سیّدنا) آدم علیہ السلام

پیدائش۔ امتحان مقابلہ۔ اعزاز خلافت۔ سبب فضیلت
قیام جنت۔ اغوار شیطان۔ دھوکا کھا جانے کی وجہ سے
جنت سے اخراج۔ توبہ۔ کمال نیاز مندی۔ عہد الست۔ دنیا
میں نزول و قیام۔ سلسلہ پیدائش۔ سب سے پہلی اولاد۔ وفات
کے وقت تعداد اولاد۔ ذریعۂ کسب۔ لباس۔ اولادِ آدم کا نکاح۔
بیت اللہ کی تعمیر۔ حج۔ سب سے پہلی خونریزی اور شیطانی اور
ربانی جذبات کی سب سے پہلی جنگ وغیرہ وغیرہ عجیب وغریب
اور مستند مضامین کا بیش بہا مجموعہ

از: حضرت مولانا سیّد محمّد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر:۔ الجمعیۃ بکڈپو۔ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶
(قیمت: 1/25)

ناشر

الجمعیۃ بک ڈپو۔ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

کتابستان۔ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

قیمت: 1/15

طبع دوم: ـــــــــ چار ہزار

مطبوعہ: ـــــــــ نیولیتھو آرٹ پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ آدم علیہ السلام

پیدائش آدم۔ زمین کی خلافت۔ فرشتوں سے امتحان مقابلہ۔ شیطان و آدم کی سرگذشت۔ سیدنا آدم علیہ السلام جنت میں۔ اغوا کی وجوہات۔ بدعتوں کی ایجاد قبولیت توبہ۔ گناہ کی حیثیت۔ دوبارہ جنت میں کیوں نہیں بھیجا گیا۔ کمال نیازمندی۔ اثر شجرہ وغیرہ۔ وغیرہ

---

(۱)

زمین کے مختلف گوشوں سے خاک کی ایک مٹھی لی گئی۔ ایک عجیب و غریب ڈھانچہ تیار کیا گیا۔ جواندر سے کھوکھلا تھا۔ اس کا طول ساٹھ ہاتھ[1]

---

[1] ہاتھ سے مراد وہی ہاتھ جو عرفاً سمجھا جاتا ہے اور اگر آدم علیہ السلام کے ہاتھ مراد ہوں تو اشکال یہ ہوگا کہ ہاتھ انسان کے پورے قد کا ۱/۴ ہوتا ہے اور اگر یہ ۱/۴ ہو تو ہاتھ نہایت چھوٹا ہوگا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

تھا اور عرض سات ہاتھ۔ (فتح الباری صفحہ ۲۶۰ جلد ۶) اور اپنی صورت میں نرالا تھا۔

خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ [۱] آدم علیہ السلام کو اپنی ہی صورت پر پیدا کیا

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ہم نے انسان کو بہترین ڈھانچے میں پیدا کیا

ابلیس نے اس عجیب الخلقت کو دیکھا تو کہا "کسی عظیم الشان کام کے لئے اس کو بنایا گیا ہے۔" (ترمذی شریف)

(۲)

زمین کی خلافت

حضرت حق کی جانب سے عام اعلان ہوا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

رب العالمین کا یہ اعلان سلسلۂ تکوین میں بالکل نرالا تھا، کیوں نہ ہو

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بلکہ ہم تو اپنی اصطلاح میں ایسے شخص کو بجا کہتے ہیں ۱۲ (معاذ اللہ، فتح الباری)

[۱] اس حدیث کا بظاہر مفہوم یہی ہے کہ آدم کو نرالی صورت عطا فرمائی جو کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوئی اسی کی جانب آیہ کریمہ (لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم) سے اشارہ سمجھ میں آتا ہے اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ جس طرح اولاد آدم کی پیدائش میں مختلف درجات ہوتے ہیں اول نطفہ، علقہ، پھر پارچہ گوشت وغیرہ وغیرہ یہ حالات آدم علیہ السلام پر طاری نہیں ہوئے بلکہ جو صورت ان کو عطا کرنی تھی دفعۃً عطا کر دی گئی۔

اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ جو نقشہ خدا نے ازل میں تجویز فرمالیا تھا، اسی پر پیدا کیا کسی سے مشورہ یا رائے نہیں لی۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری صفحہ ۲۶۰ جلد ۶)

خلافت کا مسئلہ تھا۔ اس اعلان کا مقصد بظاہر عظمت آدم کا اظہار تھا۔ اگرچہ امام تفسیر حضرت قتادہؒ کا قول یہ ہے کہ مشورہ مقصود تھا۔ گویا باصطلاح جدید رائے عامہ معلوم کرنی تھی۔

دریافت حکمت

فرشتوں کی شان بیان کی گئی ہے لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ۔ اس کی تفسیر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمائی کہ "وہ کوئی ایسی چیز دریافت نہیں کر سکتے جس کی اجازت نہ ہو" لہٰذا ان ملائک سے یہ تو ناممکن ہے کہ حضرت حق کے کسی فعل پر اعتراض کریں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ان کے دل میں ابناء آدم سے حسد ہو، کیونکہ حسد بدترین گناہ ہے، اور فرشتے گناہوں سے پاک ہیں۔ مگر وہ عجیب و غریب کرشمۂ قدرت دیکھ رہے تھے کہ مٹی کا ایک خول بنایا گیا۔ جس کا نام بھی اسی مناسبت سے آدم رکھا گیا اور وہ ادیم زمین سے بنایا گیا تھا۔ اور جبکہ اس کی سرشت ایسی چیز سے ہوئی تو بظاہر اس کے افعال بھی ایسے پست ہوں گے۔ قتل و خون ظلم و فساد اس کا خاصہ ہوگا۔ مگر اس پر یہ لطف و احسان، کہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ اس کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ چاہتے تھے کہ قدرت کے اس سربستہ اسرار معمہ کی حکمت معلوم کریں چنانچہ دریافت حکمت کے لئے عرض کیا۔

اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ "بارالٰہا کیا آپ زمین میں ایسے کو مقرر کریں گے جو فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔"

---

[۱] تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۱۹ جلد ۱ - ۱۲ [۲] سمی آدم لانہ خلق من ادیم الارض ۱۲ طبقات ابن سعد صفحہ ۱۶

بظاہر امن و امان اصلاح و تہذیب کے لیے، وہ زیادہ موزوں ہیں جن کی خصلت ہی تقدیس و تسبیح ہے۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ — ہم تیرا شکر ادا کرتے ہوئے تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

بارگاہ رب العزت سے جواب صادر ہوا۔

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ — میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

(۳)

حیاتِ آدم اور امتحان مقابلہ

حضرت حق جل مجدہ کے ازلی تخمین کے لحاظ سے جمعہ کا دن[1] تھا عصر کا وقت کہ آدم علیہ السلام کو روح سے نوازا گیا جس و حرکت، عقل و حواس بخشے گئے، غور و فکر اور ادراک کی قوت عطا ہوئی۔ اب وقت آیا کہ فرشتوں کے شبہ کو رفع کیا جائے۔ اور واضح کر دیا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام خلافت کے کیوں مستحق ہیں۔

نام فرشتوں کو بھی بتائے گئے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کو بھی نام بتا دیے گئے۔ اب مقابلہ کا امتحان شروع ہوا کچھ چیزیں سامنے رکھی گئیں اور فرشتوں سے سوال ہوا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص۱

اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ — ان چیزوں کے نام بتاؤ

بیشک فرشتوں کی پیدائش ہی اس قسم کی ہوئی ہے کہ وہ باری تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتے، گویا اطاعت الٰہی ان کے لیے پانی اور ہوا ہے جس کے بغیر ان کا بقاء ناممکن۔

مگر وہ غور و فکر کی قوت سے محروم ہیں، کچھ چیزوں کو سامنے رکھکر کسی نتیجہ کا اخذ کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے۔ یہ خاص شرف انسان کو عطا ہوا، اسی لئے وہ ایمان بالغیب کا مکلف ہوا۔ فرشتوں کو نام بیشک یاد تھے مگر ان کے امکان سے بالا تھا کہ پیش کردہ چیزوں پر ان ناموں کو منطبق کر کے بتا دیتے کہ یہ پیالہ ہے، یہ کتاب ہے، یہ کپڑا ہے وغیرہ وغیرہ فرشتوں نے فوراً اپنی عاجزی کا اعتراف کیا اور کہا۔

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ — سبحان اللہ ہمیں تو وہی معلوم ہے جو آپ نے بتایا، آپ تو خود ہی واقف اور دانا ہیں۔

عنایت ربانی آدم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا۔

یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ — اے آدم ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ

فضل الٰہی نے جو شرف انسان کو عطا فرمایا تھا اس کا ظہور ہوا۔ حضرت آدم نے فطری فراست سے ان ناموں کو ان چیزوں پر منطبق کر لیا۔ اور بتایا[1] کہ

---

[1] قال زید ابن اسلم قال انت جبرئیل انت میکائیل انت اسرافیل حتی عد الاسماء کلھا حتی بلغ الغراب مثل ھذا روی عن مجاھد

(باقی اگلے صفحہ پر)

یہ جبرئیل ہیں، یہ میکائیل، یہ زمین ہے، یہ آسمان، یہ کتاب وغیرہ وغیرہ
فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ قَالَ — جبکہ فرشتوں کو ان چیزوں کے نام حضرت
اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ — آدم علیہ السلام نے بتا دیئے۔ تو فرشتوں
(سورہ بقرہ) — کو حضرت حق سے خطاب ہوا، میں نے کہا
پ ۱ ع ۴ — نہ تھا تمہیں، میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

(۴)

اعزازِ خلافت

دیکھو قدرتِ الٰہی کے مقابلہ میں ہر چیز ہیچ ہے۔ وہ خالق ہے اور ہر چیز بلا استثناء مخلوق، آگ، پانی، ہوا، مٹی، نور اور ظلمت میں آپ کتنا ہی فرق کریں۔ مگر قادر ذوالجلال کے سامنے خلق و آفرینش کی ایک ہی سطح پر صف باندھ کر کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ اس کا فضل ہے کہ کسی کو بڑھا دے۔ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ

یہاں لاہوتی بھی تھے، ناسوتی بھی تھے، کروبی بھی تھے اور سبوحی بھی، نوری بھی تھے اور ناری بھی، مگر یہ اس کا عین فضل و کرم ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وغیرہ صہ ۱۲۷/۱ تفسیر ابن کثیر (ماذا کنتم لا تعلمون اسماء هؤلاء الذین عرضنا علیکم وانتم تشاهدونهم فانتم بما هو غیر موجود من الامور الکائنة التی لم توجد احری ان تکونوا غیر عالمین صہ ۱۲۶ (تفسیر ابن کثیر علی فتح البیان)

کہ اس نے ان سب کے مجمع میں سے صرف مشتِ خاک کو علم و معرفت کے بیش بہا جواہر کے لئے منتخب فرمایا اور اس کو خلافت سے نوازا۔
ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ — یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے بخش دے
خلیفہ کے اعزاز میں ملائکہ کو حکم ہوا۔

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ — (خلیفۃ اللہ) آدم کا سجدہ کرو
فرشتوں کا کام اطاعت ہے۔
فَسَجَدُوْا اِلَّا اٰدَمَ — چنانچہ آدم علیہ السلام کے سامنے سب نے سجدہ کیا
آخر انکار کی وجہ بھی کیا تھی، بنی نوع آدم کے لئے حکم ہے
فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ — اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف پھیر دو۔
نکتہ سنجانِ ادب خداوندی نے یہ حکم سنا اور فوراً اس کی تعمیل کی، کیونکہ سر اُسی کا پیشانی اُسی کی، کعبہ اُسی کا، حجر اسود اُسی کا، جس رُخ کا چاہا حکم دیدیا۔
"سر رکھ دیا ہم نے در جاناں سمجھ کر"

(۵)

شیطان کی سرتابی

لیکن فرشتوں کے زمرہ میں ایک وہ بھی تھا جو فرشتہ نہ تھا اُس کا نام ابلیس تھا۔
كَانَ مِنَ الْجِنِّ — وہ جنات میں سے تھا
اُس نے تعمیلِ ارشاد سے پہلو تہی کی، سجدہ نہ کیا، فوراً جواب طلب کیا گیا۔

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (سورۃ صٓ) (ع ۵ - پ ۲۳)

تجھ کو کیا اٹکاؤ ہوا کہ تو اس کو سجدہ کرے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں[۱] سے بنایا ہے۔ تو نے غرور کیا۔ یا واقعی تو درجہ میں بڑھا ہوا ہے۔

موقع تھا کہ وہ عذر کر دیتا کہ آپ کا حکم فرشتوں کے لئے تھا، میں فرشتہ نہیں جنات میں سے ہوں۔ مگر اس نے امر الٰہی کے مقابلہ میں تکبر سے کام لیا۔

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ — انکار کیا اور تکبر کیا پس کافروں میں سے ہو گیا۔

اس نے مخلوقات میں تفاوت مراتب شروع کر دیا، حالانکہ حضرت[۲] حق کے سامنے سب کی حیثیت ایک ہے۔ اس نے کہا۔

---

[۱] دونوں ہاتھوں سے یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو غیب کے ہاتھ سے، اللہ تعالیٰ غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے بناتا ہے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے، اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت صرف کی۔ (موضح القرآن)

[۲] سب سے بڑی گستاخی اور سرکشی تو یہ کہ ارشاد الٰہی کے مقابلہ میں عقلی ڈھکوسلوں سے کام لے رہا ہے اور پھر وہ بھی غلط، آگ کو مٹی سے افضل قرار دیا حالانکہ غور کیا جائے تو مٹی آگ سے بہتر ہے۔ آگ کی خاصیت ہے سوزش، طیش، سرعت، اس کے مقابلہ میں زمین یا مٹی کی خاصیت ہے فروتنی، سکون، ثبات و استقلال۔ پھر مٹی میں نشوونما زیادتی اور اصلاح، اگلانے اور بڑھانے کی طاقت ودیعت کی گئی ہے۔ یہی فطری فروتنی تھی کہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (اعراف ع ۲ پ ۸)

میں اس سے بہتر ہوں، مجھ کو آگ سے پیدا کیا، اس کو مٹی سے۔

اس نے پیدائشی نسبت کو فضیلت کا مدار مان لیا۔ حالانکہ حضرت حق کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (حجرات ع ۲ - پ ۲۶)

جو تم میں زیادہ متقی ہے وہ اللہ کے ہاں زیادہ مکرم ہے۔

ابنائے آدم میں ذات پات کی اونچ نیچ بھی اسی شیطانی منطق کا چربہ ہے، حالانکہ سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے۔ بارگاہ حضرت حق میں شیطان کی معصیت قابل عفو نہ تھی۔ وہ معتوب ہوا، اور حکم نافذ ہوا۔

اُخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

تو نکل یہاں سے تو راندہ ہے، تجھ پر لعنت ہے روز قیامت تک۔

(۶)

رحمت پر رحمت اور تمرد پر تمرد

حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

(ح ش بقیہ صفحہ گذشتہ) حضرت آدم فوراً توبہ کے لئے جھک گئے، اور وہی فطری اشتعال تھا کہ شیطان مشتعل ہی ہوتا رہا۔ انکسار پاس کو نہ آیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ — میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے

شیطان ہر طرح معتوب ہو گیا تھا' اب موقع نہ تھا کہ اس کی کوئی درخواست سنی جائے لیکن اِدھر اُس کی جرأت دیکھو کہ اب بھی اُس نے درخواست پیش کر دی۔

رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ — اے رب مجھے مہلت دیجئے اس دن تک کہ مردے زندہ کئے جائیں۔

(سورہ حجر ع ۳ - پ ۱۴)

اُدھر رحمت کی وسعت دیکھو کہ فوراً ہی منظوری صادر ہوئی۔

اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ط — تجھے مہلت دیدی گئی وقت معلوم کے دن تک۔

کہا جا سکتا ہے کہ عتاب کے بعد فوراً ہی آثارِ رحمت نمودار ہونے لگے' سمجھ ہوتی تو اس مہلت سے فائدہ اٹھاتا' توبہ و استغفار سے گناہ معاف کرا لیتا مگر افسوس' اس نے اس مہلت کے لئے جو پروگرام تجویز کیا وہ انتہا درجہ شرمناک تھا یعنی کفر پر کفر' عصیاں پر عصیاں۔

اس نے نہایت گستاخی کے ساتھ ایک اعتراض رحمتِ حق پر کیا اور انتہائی دیدہ دلیری سے کہا۔

فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ — جیسا تجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ان کی تاک میں سیدھی راہ پر بیٹھوں گا' پھر ان کے پاس آگے پیچھے داہنے اور بائیں سے پہنچوں گا۔

(اعراف ع ۲ پ ۸)

قَالَ اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلًا ط — اچھا دیکھئے (یہ میاں) جن کو آپ نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر آپ مجھے قیامت کے دن تک کے لئے مہلت دیں تو میں باستثنار قلیل اس کی ساری اولاد کو ڈھاٹی دیدوں گا (مسخر کر لوں گا) جیسا کہ گھوڑے کو ڈھاٹے یعنی لگام باندھ کر مسخر کیا جاتا ہے)

(سورہ بنی اسرائیل ع ۷)

(پ - پندرہ)

اور کہا کہ

لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ط — میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے وہ حصہ جو تیرے علم ازلی میں مقرر ہو چکا ہے اور ان کو بہکاؤں گا' اور ان کو آرزوئیں دلاؤں گا' اور ان کو سکھاؤں گا کہ چیر بن جانوروں کے کان اور اُن کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورت اللہ کی بنائی۔

(سورہ نساء ع ۱۸)

(پ - پانچ)

معاذاللہ کھلم کھلا بغاوت' اور نہ صرف بغاوت بلکہ خداوند بالا و برتر کی خدائی کے مقابلہ پر ایک متوازی نظام شیطانی کا ادعا۔ ربِّ صمد' پاک بے نیاز کی بارگاہ میں اس قسم کی بے ہودہ لن ترانیوں سے کیا فائدہ' ذوالجلال و جبروت کا فرمان نازل ہوا۔

اِذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا — چلا جا' ان میں سے (بنی آدم میں سے) جو بھی تیرے ساتھ ہوگا' تو تم سب کا پورا پورا بدلہ جہنم ہوگا۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ط

(سورۂ بنی اسرائیل ع ۷)
(پ پندرہ)

جن کو تو اپنی آواز سے وارفتہ اور احمق بنا سکے بنالے ان پر اپنے سوار اور پیادے سب ہی اکٹھے کر دے، ان کے مالوں اور اولاد میں بھی ساجھا کر، اور ان سے وعدے بھی کر۔ (جیسا کہ مشرکانہ طرز پر منتیں مانی جاتی ہیں چڑھاوے پیش کئے جاتے ہیں) شیطان جو بھی وعدہ کرے وہ محض دھوکا ہے ہاں جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا اور تیری حکومت نہیں ہو سکتی۔"

(۷)

سیّدنا آدم علیہ السّلام جنت میں

شیطان لعین مردود و ملعون بنا کر رحمتِ حق سے دور ڈال دیا گیا۔
اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے فرمان خداوندی نازل ہوا۔

اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ہ (سورہ بقرع ۴ پ ۱)

تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور کھاؤ اس میں سے محظوظ ہو کر جس جگہ چاہو۔ اور نزدیک نہ جانا اس درخت کے پس ہو جاؤ گے بے انصاف۔

حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوّا کے ساتھ جنت میں رہنے لگے، جنت

کی ان نعمتوں سے لذت اندوز ہوتے جو انسانی وہم و گمان سے بالاتر ہیں۔
شیریں چشمے، سایہ دار درخت لہلہاتے ہوئے مرغزاروں میں صاف و شفاف پانی کے زمین دوز فوارے، شیریں اور تازہ پھل، مہکتے ہوئے خوش رنگ پھول تو ہمارے باغیچوں کے دل آویز اور دل کش اوصاف ہیں مگر جنت کی نعمتیں ان سے کہیں بالا ہیں، ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر

وہ نعمتیں کہ نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا وہم و گمان گزرا۔

بظاہر جنت سے مراد وہی جنت ہے جس کا وعدہ نیک بندوں کے لئے کیا گیا ہے۔ معتزلہ وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ دنیا کے کسی سرسبز خطے کو جنت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا ماخذ بائبل کی یہ روایت ہو کہ

"خداوند خدا نے عدن میں پورب کی طرف ایک باغ لگایا اور آدم کو جسے اس نے بنایا تھا وہاں رکھا۔"
(پیدائش ۲ ۸)

مگر قرآن پاک کے الفاظ توریت کے اس مضمون کی تائید نہیں کرتے اور بحث میں پڑنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ بہرحال قرآن پاک کے الفاظ میں سیدنا آدم علیہ السلام کیلئے یہ نعمت حاصل تھی

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى تم کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکے رہو اس میں اور

وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی
(سورہ طٰہٰ ع ۷ پ ۱۶)

نہ ننگے اور نہ پیاسے رہو اس میں اور نہ دھوپ میں تپو۔

بہرحال ایک مدت تک حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ خداوندی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔

(۸)

شیطانی اغواء

شیطان نے عہد کیا تھا۔

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ
(سورہ اعراف ع ۲ پ ۸)

میں ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا

لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ الآیہ (رکوع ۱۸ پ ۵ سورۂ نساء)

ضرور میں لوں گا تیرے بندوں سے مقرر حصہ اور میں ضرور گمراہ کروں گا اُن کو اور ضرور آرزوئیں دلاؤں گا اُن کو۔

جبکہ قرآن پاک کی تصریح کے بموجب اُس کی سرشت لطیف مادّہ سے یعنی "نار" سے ہوئی ہے اور وہ جنس جنات سے ہے تو اس کو یہ قدرت حاصل ہوئی کہ وہ جنات کی طرح مختلف شکلیں اختیار کرے، ممکن ہے وہ کسی مقدس بزرگ کی شکل میں نمودار ہوا ہو، یا اس نے سانپ کی شکل اختیار کر لی ہو جیسا کہ بائبل میں ہے۔

"تب خداوند خدا نے عورت سے (حضرت حواؑ سے) کہا تو نے

یہ کیا کیا، عورت بولی کہ سانپ نے مجھے بہکایا تو میں نے ایسا کیا"
(پیدائش ۱۳)

بہرحال قرآن پاک میں اغواء کی شکل یہ بیان فرمائی گئی ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (سورہ طٰہٰ ع ۶ پ ۱۶)

شیطان نے وسوسہ ڈالا اور کہا اے آدم کیا نہ بتاؤں ابدی زندگی کا درخت اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ
(سورہ اعراف ع ۲ پ ۸)

شیطان نے ان کو بہکایا تاکہ ان پر ان کی شرم گاہ جو اُن کی نظر سے پوشیدہ کر دی گئی تھی آشکارا کر دے اور کہا کہ تم کو تمہارے رب نے اس شجرہ سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم کبھی فرشتے ہو جاؤ یا تم ہمیشہ جینے والے ہو جاؤ اور ان دونوں سے قسمیں کھائیں کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں پس دھوکہ سے ان کو پستی میں ڈال دیا۔

(۹)

اغواء کے وجوہات اور بدعتوں کی اختراع

قرآن پاک کے الفاظ پر غور فرمائیے۔ آپ کو شیطان کی دسیسہ کاری کو سمجھنے میں حقیقت معلوم ہو گی اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے اغوا

کا طرز ہر شخص کے مذاق کے بموجب علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے، وہ زنا کار یا شرابی کے لئے اغوا کی شکل یہ اختیار کرے گا کہ زنا کی خوبیاں اُس کے ذہن نشین کر دے گا لیکن کسی متقی یا پرہیزگار کو اس طرح اغوا نہیں کرے گا، بلکہ اس کے اغوا کی شکل یہ ہوگی کہ کسی گمراہی کو نیکی کی شکل ہی میں اس کے سامنے پیش کرے گا۔ بدعتوں کا آغاز اسی طرح ہوتا ہے چنانچہ بدعت کی تعریف ہی علماء نے یہ فرمائی ہے۔

ما احدث علیٰ خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال او صفۃ بنوع استحسان وطریق شبہۃ وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً (شرح نقایہ مراقی الفلاح وطحطاوی)

یعنی علم یا عمل سے متعلق کوئی ایسی بات جو اس حق کے برخلاف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے کسی قسم کی ظاہری پسندیدگی اور شبہ کے باعث ایجاد کر لیا گیا ہو اور پھر اس کو دین قدیم اور صراط مستقیم گردان لیا گیا ہو۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا۔

من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منہ فھو علیہ ردٌّ

جو شخص ہمارے اس کام (اسلام) میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جو اسلام کی نہ ہو تو وہ اُسی پر رد ہے۔

اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین قیم کا یہ معیار قرار دیا۔

ما انا علیہ واصحابی

وہ کہ اس پر میں ہوں اور میرے ساتھی

قرآن پاک میں ارشاد ہوا۔

وَلَوْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا

اگر وہ اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے تو وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

اور بدعت کے متعلق ارشاد ہوا۔

کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔

ہر ایک بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آتش جہنم میں۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے اغوا کی شکل بھی وہی اختیار کی جو ایک قرب الٰہی کے عاشق اور شیدائی کے لئے نہایت دل فریب تھی حضرت آدم سے شجر ممنوعہ کی تاثیر بیان کی کہ

(۱) اس کے کھانے سے انسان فرشتہ ہو جاتا ہے

(۲) وہ آب حیات کی خاصیت رکھتا ہے یعنی اس کو کھا کر انسان ہمیشہ ہمیشہ اس جنت میں رہے گا۔

اور پھر ممانعت کا فلسفہ یہ بیان کیا کہ مرضی خداوندی یہ ہے کہ آپ فرشتہ نہ ہوں۔ اور آپ کا قیام اس باغ میں دائمی نہ ہو۔ تو ربیت کی تصریح

---

[1] قرآن شریف یا صحیح احادیث میں اس درخت کے متعلق کوئی تصریح نہیں آئی کہ کس چیز کا تھا۔ علماء مفسرین کے اقوال مختلف ہیں کہ وہ انگور، انجیر، گیہوں یا کھجور کا درخت تھا ابوالعالیہ کا قول ہے کہ وہ درخت ایسا تھا جس کے کھانے سے بول و براز کی حاجت (باقی اگلے صفحہ پر)

کے بموجب وہ نیکی اور بدی کی پہچان کا درخت تھا۔ اب شیطان کی منطقی دلیل کا حاصل یہ ہوا کہ اس درخت کا پھل کھا کر جب آپ نیکی اور بدی کی پہچان حاصل کر لیں گے تو بدی سے محفوظ رہیں گے، نیکی ہی پر عامل رہیں گے تو آپ ترقی کرتے کرتے تقریب الی اللہ کا بہت اونچا مرتبہ حاصل کر لیں گے اور بدی کے باعث جو اس جنت سے نکلنے کا خطرہ ہے اس سے بھی آپ محفوظ ہو جائیں گے۔

اگر واقعی توریت کی تصریح کے بموجب یہ درخت ایسا ہی تھا جس کے کھانے سے نیکی اور بدی کی پہچان کی قوت پیدا ہو جاتی تھی تو اغوا کا سبب ایک نہایت دقیق لطیفہ ہوگا، یعنی یہ کہ کوئی چیز اپنا اثر خود سے کر لیتی ہے یا اس کی تاثیر کے لئے بھی حکم خداوندی کی ضرورت ہے، مثلاً زہر کو مہلک مانا جاتا ہے، یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تاثیر زہر میں خداوند عالم نے پیدا کی ہے

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) ہوتی تھی۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا درخت ہے جس کو فرشتے کھاتے ہیں خلود اور ابدی زندگی کے لئے (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص۱۳۵) حضرت وہب بن منبہ کے ارشاد کے بموجب گویا شیطان کا بیان بھی صحیح تھا، مگر چونکہ حکم الٰہی کی مخالفت ہوئی اس لئے حضرت آدم علیہ السلام معتوب ہوئے۔ مگر قرآن پاک کی دوسری آیت جو اسی مضمون میں ذکر کی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس درخت کو کھاتے ہی ان کی شرم گاہیں ظاہر ہونے لگیں۔

اس سے بظاہر حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت تھا جس سے بول و براز کی حاجت ہونے لگتی تھی۔

لیکن اس کی تاثیر کی کیا صورت ہوتی ہے، آیا خداوندی قدرت ایک مرتبہ یہ اثر زہر میں پیدا کر کے اب فارغ اور معطل ہو کر بیٹھ گئی، یا شکل یہ ہے کہ جب کسی نے مثلاً زہر کھایا تو اب پھر حکم الٰہی ہوتا ہے اور زہر میں اس تاثیر کی قدرت کا جدید فیضان ہوتا ہے، اور جب تک امر الٰہی نہ ہو زہر محض بے کار رہے۔

توضیح کے طور پر یوں خیال فرمایئے کہ بجلی ایک خاص طاقت ہے جو اگر قمقمہ میں پہنچتی ہے تو روشنی کا کام کرتی ہے اور پنکھے میں پہنچتی ہے تو حرکت پیدا کرنے کا کام کرتی ہے جس سے ہوا پیدا ہوتی ہے، قمقمہ روشنی کے لئے ہے، پنکھا ہوا کے لئے، لیکن فائدہ جب حاصل ہوگا کہ جب بجلی آ جائے، اس کے بغیر نہیں تو آیا زہر کی حیثیت اسی قمقمہ جیسی ہے، یا زہر کی مثال بجلی کے مخزن کی ہے جس میں بجلی بند ہے۔

شجرہ کی صورت میں اسی مثال کو چسپاں کیجئے۔ تو سوال یہ ہوا کہ آیا یہ شجرہ نیکی اور بدی کی پہچان کی قوت کا ایک مخزن تھا، یا قمقمہ کی طرح وہ ایک علامت تھا کہ قانون قدرت اس کے متعلق یہ تھا کہ جب کوئی کھائے تو نیکی اور بدی کی پہچان کی قوت کا فیضان ہوتا تھا۔

یہ مسئلہ علم کلام کا وہ باریک مسئلہ ہے جس کے متعلق قرآن پاک کے نزول کے بعد بھی دو رائیں ہو گئیں، فرقہ معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ تمام چیزوں کی مثال بجلی کے مخزن کی ہے، قانون قدرت نے تمام چیزوں میں تاثیر پیدا کر دی اب یہ چیزیں بذات خود اثر کرتی ہیں۔ اور اہل سنت والجماعت کا مذہب حق

یہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں ایک علامت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ صورت قطعاً نہیں کہ ان چیزوں میں طاقت ودیعت کرکے قدرت الٰہی معطل اور فارغ ہو کر بیٹھ گئی ہو بلکہ دستور الٰہی یہ ہے کہ موقع بہ موقع قدرت اور تاثیر کا فیضان ہوتا رہتا ہے جب تک قدرت کا فیضان نہ ہو ہاتھ حرکت نہیں کر سکتا زبان بول نہیں سکتی، آنکھ دیکھ نہیں سکتی، کان سُن نہیں سکتے اور زہر مار نہیں سکتا۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے معتزلہ کے مسلک کی حمایت کی ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، میرا مقصد یہ ہے کہ اس مسئلہ کی پیچیدگی کا اظہار کر دوں جو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے مغالطہ کا باعث ہو گیا۔

ہاں اس واقعہ سے ہمیں ایک دوسرا سبق ملتا ہے کہ کسی مسئلہ کی منطقی یا فلسفی موشگافیوں میں پڑ کر یہ شکل قطعاً جائز نہیں کہ باری تعالیٰ عزاسمہٗ کے کسی صریح ارشاد کی مخالفت کی جائے۔

(۱۰)

نَسِیَ اٰدَمُ فَنَسِیَ اِبْنُہٗ

آدم علیہ السلام بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھولنے لگی۔

ارشادِ الٰہی تھا

لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ — اس درخت کے پاس مت جاؤ کہ ظالم ہو جاؤ گے۔

مگر سیدنا آدم علیہ السلام قرب الٰہی کے شوق، جنت میں دوام اور خلود کی طمع اور پھر تاثیر شجرہ کے متعلق ایک عجیب غریب پیچیدگی میں ایسے منہمک ہو گئے کہ باری تعالیٰ عزاسمہٗ کے ارشاد کا خیال نہ رہا۔

فَنَسِيَ اٰدَمُ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ؕ — حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے ہم نے ان کا عزم نہیں پایا

نسیان کو عصیان کیوں کہا گیا

مگر ایک ایسے شخص سے جو نبی ہو یا نبی ہونے والا ہو، جو تقرب الٰہی کے اونچے مرتبے کا مالک ہو، جس کو خطاب و کلام سے نوازا گیا ہو ایسا انہماک و استغراق بھی ایک لغزش ہے۔ سچ پوچھو تو یہ استغراق بھی اللہ ہی کے لئے تھا مگر افسوس کہ ارشاد صریح کے مخالف ہو گیا، اس کی مثال ایسی خیال فرمایئے کہ نماز پڑھتے پڑھتے کوئی شخص قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت میں ایسا محو ہوا کہ کچھ کا کچھ پڑھ گیا یا معانی قرآن کے غور و فکر میں ایسا منہمک ہوا کہ رکوع کا خیال ہی نہ رہا سجدہ میں چلا گیا ایسی صورت میں اس کی نماز نہ ہو گی یا سجدہ لازم آئے گا۔ بلکہ حضرت امام ابی حنیفہؒ کا قول تو یہی ہے کہ نماز کی حالت میں قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت میں محویت اس اونچے درجہ کے لئے حجاب بن جاتی ہے جو نماز سے مقصود ہے، بہرحال چونکہ یہ محویت اس اونچے مرتبے کے مخالف تھی جو حضرت آدم علیہ السلام جیسے مقرب بارگاہ رب صمد کے لئے شایاں ہے تو اس پر تنبیہ وارد ہوئی اور جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے خود حضرت حق نے

معذرت فرمادی کہ "بھول گئے تھے نافرمانی کا عزم نہ تھا" اسی طرح اس اونچے مرتبے کا لحاظ فرماتے ہوئے یہ سخت الفاظ بھی فرمائے گئے۔

عَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی — آدم (علیہ السلام) نے نافرمانی کی پس راہ سے بہکا۔
(سورہ طٰہٰ ع ۶ - پ ۱۶)

حضرت علامہ استاذ مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ الفاظ اسی دستور کے بموجب ہیں۔

"جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے"

مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبد القادر جیلانیؒ قدس اللہ سرہ العزیز سے ایک مرتبہ پیروں کی انگلیوں کا خلال (جو مستحب ہے اور جس سے عام لوگ واقف بھی نہیں ہوتے) رہ گیا تو آپ اس مستحب کے ترک پر چھ ماہ تک روئے ایک بزرگ نے مسجد میں داخل ہوتے وقت داہنے پیر کے بجائے بایاں پیر رکھدیا تو معتوب ہوئے۔

"نزدیکاں را بیش بود حیرانی"

بہرحال اس نسیان پر فوراً تنبیہ ہوئی۔

فَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ — ان کو پروردگار نے ندا دی۔ کیا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کر دیا تھا اور کیا یہ نہ کہدیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔
(سورہ اعراف - پ ۸)

کمالِ نیازمندی

بہرحال ایک غلطی ہوئی جس کی وجوہات وہی ہیں جن کی طرف تحریر سابق میں اشارہ **کیا گیا**، ان کے علاوہ اور بھی وجوہات بیان کی گئی ہیں جن کو ہم نے بنظر **اختصار** نقل نہیں کیا ہے۔ اب اس تنبیہ کے بعد متوقع تھا کہ سیدنا آدم **علیہ السلام** معذرت کرتے اور غلطی کی وجوہات بیان کرکے برأت کی سبیل **نکالتے**، مگر کمالِ نیازمندی یہ ہے کہ انسان خود کو سراسر تقصیر اور سرتاپا ہیچ سمجھے اور اعتراف تقصیر میں کوتاہی نہ کرے۔ غور فرمایئے۔ یہ پوری ہستی جس کا نام انسان ہے۔ اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟ صرف یہی ایک مشتِ **خاک** ہے جس کو لطفِ الٰہی نے اتنا نوازا کہ مسجودِ ملائک بنادیا۔ یہ مشتِ **خاک** کی خوبی ہے؟ یا اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم کی قدر افزائی؟

انسان اپنی حقیقت سے جب تک ناواقف رہتا ہے وہ اپنی ہستی **میں اظہار** رہتا ہے لیکن جیسے جیسے چشمِ معرفت میں بصیرت پیدا ہوتی رہتی ہے، وہ اپنی ہستی کو فنا، اپنے عمل کو حقیر، اپنی جدوجہد کو ناچیز سمجھتا رہے گا۔ **صدیق** اکبر رضی اللہ عنہ (جن کو صدیقیت کا وہ خطاب عطا ہوا جو امتِ **محمدیہ** میں کسی کو حاصل نہیں ہوا خود قرآن مجید میں جا بجا ان کی توصیف فرمائی گئی) فرمایا کرتے تھے: "اے کاش میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا **جاتا**۔"

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا گیا کہ آپ حرمِ کعبہ میں سر رکھے ہوئے التجا کر رہے ہیں ؎

من نگویم کہ طاعتم بپذیر — قلم عفو بر گنا ہم کش

شیخ سعدی رحمۃ فرماتے ہیں اور بہت ہی خوب فرماتے ہیں ؎

عاصیاں از گناہ توبہ کنند — عارفاں از عبادت استغفار

بہرحال حضرت آدم علیہ السلام نے ندائے الٰہی کے جواب میں فوراً عرض کیا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ہ (سورہ اعراف ـ پ ۸)

اے رب ہمارے ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو بلا شبہ ہم خائب و خاسر ہوں گے۔

سببِ فضیلت

حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت کا سبب عام طور پر علم قرار دیا گیا ہے اور آیات کتاب اللہ کی ظاہری سطح سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے مگر رموز شناسانِ حقیقت کی تحقیق یہ ہے کہ وجہ فضیلت کمال نیاز مندی ہے جس کا نام عبدیت ہے۔ سیدنا حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) فرمایا کرتے تھے شیطان نے ماہیت پر بحث شروع کردی اور راندہ درگاہ ہوگیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے نیاز مندانہ اعتراف جرم کیا وہ کامیاب ہوگئے۔ حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے بحث کی گنجائش زیادہ تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کو دوبارہ جنت میں کیوں نہیں واپس کیا گیا؟

غلطی معاف ہوئی لیکن سوال یہ ہے کہ معافی کے بعد دوبارہ جنت میں کیوں نہیں پہنچایا گیا، لیکن جو شخص اس حقیقت سے واقف ہے (کہ خداوند عالم نے جس طرح ہر چیز میں تاثیر پیدا کی ہے، اسی طرح انسانی عمل میں بھی تاثیر پیدا کردی، جو قانونِ قدرت کے بموجب احکام الٰہی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے) اس کو کوئی خلجان پیدا نہیں ہو سکتا جرم کی معافی اور چیز ہے اور عمل کی تاثیر دوسری چیز۔ جرم کے معاف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمل کی تاثیر بھی ختم ہوجائے۔ کوئی انسان شکار پر گولی چلائے وہ کسی انسان کے لگ جائے، اگرچہ غلطی ہے، مگر اس بنا پر کہ غلطی ہے موت کو دفع نہیں کیا جا سکتا، گناہ بے شک نہیں۔ مگر قتل نفس جو اضطراری طور پر سرزد ہوگیا، اس کی بنا پر شریعت نے کفارہ مقرر کردیا مرنے والے کی موت بھی اسی کے حکم سے ہے اور کفارہ بھی اسی کے حکم سے واجب ہوا۔ غلطی سے لفظ طلاق زبان سے نکل گیا، اگرچہ غلطی ہے اور اگرچہ بلا وجہ طلاق کا گناہ پر اس پر عائد نہ ہوگا، مگر طلاق ضرور واقع ہوجائیگی نماز میں اگر سہو ہو تو اگرچہ گناہ نہیں مگر سجدۂ سہو ضرور واجب ہوگا، ورنہ نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ مختصر یہ کہ جرم نہ رہنے سے عمل کی تاثیر ختم نہیں ہوتی۔

بہرحال درخت کے کھانے کی ایک تاثیر تھی جو بہرحال ظہور پذیر ہوئی۔ امر تکوینی کے سلسلے میں جو اس اخراج اور پھر واپس نہ کرنے

کی حکمت ہے، وہ سورۂ اعراف کے رکوع ۲ کی ابتدائی آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔

اثرِ گناہ

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (اعراف ع ۲)

پس جب چکھا دونوں نے درخت، ان پر کھل گئے عیب ان کے، اور جوڑنے لگے اپنے اوپر جنت کے پتے

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر فرماتے ہیں ان کے عیب ان پر مخفی تھے یعنی استنجا اور شہوت کی حاجت جنت میں نہ تھی نیز ان کے اوپر کپڑے تھے، وہ کبھی کبھی نہ اترتے تھے، اس لئے کہ اتارنے کی حاجت نہ ہوتی تھی اور یہ اپنے اعضاء سے واقف نہ تھے جب یہ گناہ ہوا تو لوازم بشری پیدا ہوئے۔ اپنی حاجت سے خبردار ہوئے اور اپنے اعضاء دیکھے۔

قبولیت دعاء

اس وقت دو دعائیں مانگی گئیں، دونوں قبول ہوئیں، مگر ایک دعاء خدا کے نبی کی تھی ایک دعا غرور اور سرکشی کے پیکر یعنی ابلیس کی۔ خدا کے نبی نے مغفرت رحمت، خداوندی آمرزش اور عفو و کرم کی دعاء مانگی جو قبول ہوئی اور آدم علیہ السلام اس دنیا میں خدا کے سب سے پہلے مقرب اور مقبول

بندے ہوئے۔

اس کے برعکس شیطانی دعاء میں قیامت تک کی مہلت طلب کی گئی تھی اور یہ کہ اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی طاقت اس کو بخش دی جائے یہ دعاء اس کے لئے مقبول ہوئی۔ پھر ارشاد ہوا۔

اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ (اعراف ع ۲)

اترو تم۔ ایک دوسرے کے دشمن ہوئے اور تم کو زمین میں ٹھہرنا ہے۔ اور برتنا ہے ایک وقت تک۔ ارشاد ہوا کہ تم اسی میں جیو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

عہد الست

خود اس دنیا میں کچھ عرصہ پہلے پیدا ہوا تھا جبکہ میں جنین کے بجائے شیرخوار بچہ بنا تھا اور میرے اعزا و اقارب نے ایک کان میں اذان اور ایک کان میں تکبیر پڑھ کر میرے دنیاوی قیام کی ایک مثال پیش کی تھی۔ یعنی یہ کہ میری موت پیدائش سے اتنی ہی قریب ہے، جتنی اذان سے تکبیر، یا بعنوانِ دیگر وہ اذان و تکبیر اس نماز کی تھی، جو وفات کے بعد جنازہ پر پڑھی جائے گی۔ خدا کی پناہ، انسان بھی کس قدر جلد باز ہے، پیدا ہوتے ہی وفات کی اطلاع دے دی، بہرحال قیام دنیا کی مدت کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو، مگر مجھے یقین ہے کہ میری عمر اس سے بہت زیادہ ہے مجھے خود یاد نہیں کہ میں کب پیدا ہوا؟ ہاں، اتنا ضرور یاد ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس گذرے کہ جب میں پیدا ہوا

آپ کیا ہیں یا میں کیا ہوں

دنیا کو "زُور" کہا گیا ہے کیونکہ یہ بہت ہی زیادہ جھوٹی ہے، اس میں سراسر دھوکا ہی دھوکا ہے۔ انسان رات دن دھوکے ہی میں مبتلا رہتا ہے۔ "الا ماشاء اللہ" اس سے بڑھ کر دھوکا کیا ہو سکتا ہے کہ زید مثلاً آج تک یہی خیال کرتا رہا ہے کہ ان مادّی، ہاتھ پاؤں، زبان، منہ، آنکھ، ناک کان وغیرہ کا نام زید ہے۔ لیکن آپ غور کریں تو زید کی حقیقت کو ان چیزوں سے اتنا ہی واسطہ ہے جتنا زید کو اپنے لباس اور پوشاک سے۔

زید جب بچہ تھا تب بھی زید ہی تھا، اور جب جوان ہوا تب بھی زید ہی تھا، اور اب بڑھاپے کی بدترین حالت میں ہے، بینائی جاتی رہی، قویٰ بے کار ہو گئے، ہاتھوں میں رعشہ اور پیروں میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو گئی، تب بھی زید ہی ہے، اگر امیر ہے تب بھی زید ہی ہے، اور خدانخواستہ تباہ حال اور فاقہ مست ہو گیا تب بھی زید ہی ہے۔

حقیقت یہ کہ زید کچھ اور ہی ہے، اس کو آپ روح کہیے۔ یا ارباب طریقت کی اصطلاح کے بموجب "نسمہ" کہیے، بہرحال اس کا نام زید ہے یہ حقیقی زید اس وقت پیدا نہیں ہوا، جبکہ وہ بطنِ مادر سے خارج ہوا بلکہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری سے بھی بہت پہلے وہ پیدا ہو چکا تھا اور عجیب بات ہے یہ اُسی وقت ایک عہد بھی کر چکا تھا

یہ کب کی بات ہے؟

واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریتہم واشہدہم علیٰ انفسہم الست بربکم قالوا بلیٰ شہدنا ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن ہذا غافلین او تقولوا انما اشرک آباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدہم أفتہلکنا بما فعل المبطلون۔ (سورۂ اعراف) (ع ۲۲ پ ۹)

(اے نبی لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمہارے رب نے نکالی آدم کے بیٹوں سے ان کی پیٹھوں میں سے اُن کی اولاد (یعنی وہ تمام اولاد آدم جو نسلاً بعد نسل اور پشت در پشت پیدا ہونے والی تھی اس سب کو برآمد کر دیا) اور خود اُن سے اُن کے نفسوں اور جانوں پر گواہی دلوائی۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سب نے جواب دیا تھا۔ ہاں تو ہی ہمارا پروردگار ہے ہم نے اس کی گواہی دی اور یہ اس لئے کیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن عذر کر بیٹھو کہ ہم اس سے بے خبر رہے یا کہو۔ خدایا شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا ہم ان کی نسل میں بعد کو پیدا ہوئے (اور لاچار وہی راہ چلے جس پر پہلوں کو چلتے پایا) تو پھر کیا تو ہمیں اس بات کے لئے ہلاک کرے گا (جو ہم سے پہلے) باطل پرستوں اور جھوٹی راہ چلنے والوں نے کی تھی۔

---

(۱۲)

عہدِ اَلَسْت کی تفسیر ترمذی شریف کی حدیث سے

ترمذی شریف کی ایک حدیث سے اس عہد کی توضیح اس طرح ہوتی ہے کہ جب خداوند عالم جل مجدہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر لیا تو پشت آدم پر دست قدرت پھیرا پس ہر ایک وہ نسمہ (روح) جس کو خداوند عالم آدم علیہ السلام کی اولاد میں قیامت تک پیدا کرے گا حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے جھڑ پڑا۔ ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر ایک نور تھا۔ پھر ان تمام "نسمات" (روحوں) کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے کیا

حضرت آدم علیہ السلام ۔ خداوندا یہ کون ہیں؟

ارشاد خداوندی ۔ تمہاری اولاد

پھر آدم علیہ السلام نے ایک نسمہ کو دیکھا جس کی پیشانی کے نور نے خود حضرت آدم علیہ السلام کو حیرت زدہ کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام ۔ خداوندا یہ کون؟

ارشادِ ربانی عزوجل ۔ آخری اُمتوں میں سے ایک شخص ہوگا جس کا نام داؤد ہوگا (علیہم السلام)

حضرت آدم علیہ السلام ۔ خداوندا اس کی عمر کیا ہوگی؟

ارشاد ربانی عزوجل ۔ ساٹھ سال۔

حضرت آدم علیہ السلام ۔ الٰہ العالمین میری عمر میں سے چالیس سال

اس کو دے دیجئے۔

اس کے بعد جب آدم علیہ السلام دنیاوی زندگی ختم کر چکے اور واپسی کا وقت آیا تو ملک الموت حاضر ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام ۔ (ملک الموت سے) کیا میری عمر میں چالیس سال باقی نہیں رہے؟

ملک الموت ۔ کیا آپ نے اپنے (بیٹے) داؤد علیہ السلام کو دے نہیں دیئے تھے۔

سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو نقل فرمانے کے بعد فرمایا۔ آدم علیہ السلام نے انکار کیا تو اولاد نے بھی انکار کیا۔ آدم علیہ السلام بھول گئے تو اولاد بھی بھول گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی تو اولاد بھی خطا کرنے لگی۔[1]

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں شہادت سے مراد انسان کی فطرت ہے یعنی انسان کی پیدائش اور پیدائش وضع ہی اس قسم کی ہے کہ انسان کو توحید کی طرف ہدایت کرتی ہے علامہ موصوف کے نزدیک آیت کی تفسیر یہ ہے کہ خداوند عالم نے اولاد آدم کو ان کے آباء کی پشتوں سے پیدا کیا اس صورت پر کیا کہ وہ فطرتاً شاہد ہیں کہ ان کا رب اور ان کا مالک ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

---

[1] ترمذی شریف تفسیر سورۂ اعراف ص۱۳۳ جلد ۱

علامہ موصوف مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کرتے ہیں

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ط

(سورہ روم)

"سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر۔ وہی تراش اللہ کی جس پہ تراشا لوگوں کو۔ بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو" (شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت کی تفسیر صحیحین کی اس حدیث سے ہوتی ہے

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ کما تولد البھیمۃ بھیمۃ جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء

ہر ایک بچہ ایک ہی فطرت اور طبیعت پہ پیدا کیا جاتا ہے اس کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح جانور کے صحیح سالم ہی پیدا ہوتا ہے کیا تم نکٹے اور کن کٹے پیدا ہوتے دیکھا کرتے ہو۔

نیز مسلم شریف کی روایت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ انی خلقت عبادی حنفاء فجاءتھم الشیاطین فاحتالتھم عن دینھم وحرمت علیھم ما احللت لھم

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے تمام بندوں کو دین حنیف ہی پر پیدا کیا ہے لیکن ان کو شیاطین گھیر لیتے ہیں اور دین فطرت سے ان کو بہکا دیتے ہیں اور وہ چیزیں ان پر حرام کر ڈالتے ہیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی

اس تفسیر کے بموجب مذکورہ بالا آیت کریمہ انسانی فطرت کی تمثیل ہوگی اور عہد الست یا شہادت سے ایک حالی معاہدہ اور حالی شہادت مراد ہوگی یعنی انسان کی زبان حال یہ عہد کر رہی ہے اور یہ شہادت دے رہا ہے کہ اس کا رب ایک ہے

اس تفسیر کے بموجب اس آیت کا تعلق ہمارے مبحث یعنی (سیدنا آدم علیہ السلام کے حالات) سے نہ ہوگا۔ نیز اس تفسیر کے بموجب یہ اعتراض بھی وارد نہ ہوگا کہ اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ ہوا تھا تو یاد کیوں نہیں اور جب یاد نہیں رہا تو معاہدہ سے فائدہ کیا تھا اور اس کی مخالفت کی بنا پر اولاد آدم کس طرح مستوجب سزا و عذاب ہو سکتی ہے۔

علامہ موصوف تو یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ محققین علماء کا قول یہی ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ محققین علماء نے آیت کی تفسیر اس کے ظاہری ترجمہ کے مطابق ہی کی ہے جس کی توضیح ترمذی شریف کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو مصنف نے "حسن صحیح" کہا ہے۔ نہ ہی دوسری آیت یا بخاری اور مسلم شریف کی احادیث تو دوسرے معنی ادا کر رہی ہے جس کا آیت "الست" سے کوئی معارضہ نہیں۔

کیونکہ عہد الست کی آیت کا مضمون یہ ہے کہ جس طرح حضرت حق جل مجدہ نے آدم علیہ السلام کو خلعت خلافت سے نوازا، ملائکہ سے اس کا اقرار کرایا، شیطان کو بغاوت و تمرد کی بنا پر ملعون کیا اسی طرح اولاد آدم سے بھی ایک عہد لیا۔ اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام سے بھی ایک معاہدہ ہوا۔

(جس کا ذکر انشاء اللہ آئندہ آئے گا) یہ تمام واقعات پیدائش آدم کے وقت ہوئے۔ اب لامحالہ۔ ملائک۔ اولاد آدم اور شیاطین کل مخلوقات۔ اور تمام کائنات کے تین ہیرو ہوں گے۔

ان میں سے ہر ایک کی فطرت دوسرے سے کچھ مختلف رہی۔ ملائک کی خیر محض، اور سراسر اطاعت جن سے معصیت کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ لا یعصون اللہ ما امرھم۔ شیاطین کی فطرت شر محض، سراسر تمرد جس سے خیر کا صدور نہیں ہوگا۔ انسان اور جن کی فطرت ربوبیت کی معترف ہے۔ حضرت حق کو پروردگار تسلیم کرنا اس کا طبعی جذبہ ہے جس سے کبھی کوئی انحراف نہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا
لِيَعْبُدُوْنِ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ
مِنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ
يُّطْعِمُوْنِ

یعنی انسان اور جن کا فطری جذبہ عبادت اور حضرت حق کے سامنے نیازمندی ہے کمائی اور اکتساب رزق اس کا فطری جوہر نہیں۔

لیکن مطلوب یہ ہے کہ وہ صرف اسی فطری جذبہ پر اکتفا نہ کرے، بلکہ خلافت الٰہیہ کے تقاضے کے بموجب وہ قدوسی صفات اپنے اندر پیدا کرے، ربانی اخلاق کا خوگر ہو۔ اس کو احسن تقویم "سب سے بہتر فطرت" عطا فرمائی گئی کہ وہ خداوند عالم کو دیکھے بغیر اس کی آیات اور اس کی خلاقیت کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے کفر و شرک سے محفوظ رہ سکے۔

روشن آفتاب کی معجز نما سنہری کرنیں اگر کسی وقت اس کی بصارت کو خیرہ کر کے

اس سے ھٰذَا رَبِّیْ، ھٰذَا اَکْبَرُ (یہ میرا پروردگار ہے یہ سب سے بڑا ہے) کہلوا دیں تو تھوڑی دیر بعد جب غروب کی زردی آفتاب کے چہرہ کی رونق کو ماند کر کے تاریکی کی چادر اس پر تاننے لگے تو وہ "انی لا احب الآفلین" (میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا) کہہ کر اپنے اس وسوسہ سے توبہ کرے اور فطرت سلیم واحد برحق کے اعتراف پر اس کو مجبور کر کے یہ کہلوا دے

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا
وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝
(سورۂ انعام پ ۷)

میں نے اپنا رخ اسی ذات کی طرف پھیر لیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ماسوا سے منہ موڑ کر۔ اور میں مشرک نہیں۔

بے شک انسان ظلوم و جہول بھی ہے۔ مگر اس کے یہی معنی ہیں کہ اس میں عدل و انصاف اور علم و فکر کی طاقت فطرت نے ودیعت فرمائی ہے کیونکہ ظالم اسی کو کہا جاتا ہے جس میں عدل و انصاف کی طاقت ہو اور پھر وہ اس پر عمل نہ کرے۔ جاہل اسی کو کہتے ہیں جس میں علم کی صلاحیت ہو اور اس کو وہ بیکار کر دے۔ دیوار، درخت، پتھر، گھوڑے، گدھے کو کوئی کبھی ظالم یا جاہل نہیں کہتا کیونکہ ان میں عدل و علم کی طاقت ہی نہیں یہی باعث ہے کہ اس کو خداوندی امانت اور ربانی الہام و وحی عنایت فرمائی گئی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ
يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا

ہم نے امانت کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے رکھا انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے

الانسان انہ کان ظلوما جہولا ۝	خوف کھا گئے۔ انسان نے اس کو برداشت کر لیا کیونکہ وہ ظلوم تھا (جس کے بجائے اس کو عادل بنانا مقصود ہے) جہول
(سورہ احزاب ع ۶) (پارہ ۲۲)	تھا (یعنی جاہل تھا) جس کے بجائے اس کو عالم بنا پیشِ نظر ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیت اور اس کی تفسیر میں جو احادیث پیش کی ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ اس فطری صلاحیت میں تمام انسان برابر ہوتے ہیں، پیدائشی طور پر کوئی کبھی کافر اور مشرک نہیں ہوتا، یہ اس کے مربی اور اس کے اعزا و اقارب کا قصور ہے کہ اس کو خدا سے منحرف کر دیں دین برحق سے ہٹا دیں۔ معاذ اللہ۔

مختصر یہ ہے کہ یہ دونوں آیتیں الگ الگ مفہوم ادا کر رہی ہیں، عہد الست والی آیت، پیدائش انسانی کی ابتدائی کیفیت بیان کرتی ہے جس طرح قرآن پاک میں بہت جگہ آسمان، زمین، پہاڑ، عرش وغیرہ کی پیدائش کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اور دوسری آیت جس کو علامہ موصوف نے پیش کیا تھا وہ دنیا میں آنے والے انسانوں کی فطری صلاحیت کی مساوات اور یکسانیت ظاہر کرتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

شکوک و شبہات کا ازالہ

سوال کیا جاتا ہے کہ اگر واقعی ازل میں کوئی عہد اس قسم کا لیا گیا تھا تو وہ یاد کیوں نہیں رہا اور جبکہ یاد نہیں تو اس کی مخالفت پر سزا اور عتاب کیسا؟

لیکن انسان اگر اپنے ابتدائی حالات پر غور کرے تو اس قسم کے سوال کی قطعاً جرأت نہیں کر سکتا۔ آپ کی نوشت و خواند کا سارا مدار الف، با ر پر ہے مگر کیا آپ کو یاد ہے کہ آپ نے کب اور کہاں بیٹھ کر سب سے پہلا سبق لیا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ یاد بھی ہو تو اس سے پیشتر کے واقعات میں سے تو ایک بھی یاد نہ ہوگا لیکن کیا یاد نہ رہنا بھی خلاف عقل کے جواز کے لئے دلیل ہو سکتا ہے۔ کیا کسی کو اپنی ولادت یاد ہوتی ہے؟ پھر ماں کو ماں اور باپ کو باپ ماننے کا اُس کے پاس کیا ثبوت ہے، صرف یہی ماں باپ کے تعلقات اور لوگوں کا بتانا یعنی عام شہرت اور دوسروں کا بیان اور وہ نشانیاں یا علامتیں جن کو وہ خود دیکھتا ہے۔ اگرچہ شکوک و شبہات کو یہاں بھی بہت گنجائش ہے، ماں کے ماں ہونے پر عینی شاہد اس کو مل سکتے ہیں، لیکن باپ کے باپ ہونے پر تو ایک بھی شاہد اس کو نہیں مل سکتا صرف ماں کا بیان ہی ہے یعنی دنیا بھر میں صرف ایک عورت کا بیان۔ لیکن حضرت حق جل مجدہٗ کی ربوبیت اور خالقیت پر انبیاء علیہم السلام اور اُن کے لاکھوں کروڑوں جانشین، ہمیشہ اس کو تنبیہ کرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کے گرد و پیش کی تمام چیزیں حتیٰ کہ خود اس کے فطری اور طبعی اوصاف حالات اس کے لئے خدا کی خدائی پر شاہد ہوتے ہیں۔

وفی الارض آیات للموقنین	زمین میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے
وفی انفسکم افلا تبصرون	اور خود تمہارے اندر کیا تم دیکھتے نہیں۔

علاوہ ازیں غور فرمایئے، خدا اور توحید کا اعتراف تو انسان کی

طبیعت میں ایک طبعی چیز کی طرح پیوست ہے، کوئی مذہب یا کوئی دین بھی ایسا نہیں جس میں تمام کا مرجع ایک کو نہ مانا گیا ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اپنی کج فہمی سے ایک کے سوا دوسروں کے لئے بھی خدا کے اختیارات مان لئے اور یہ شرک ہے، مگر چند معبود مانتے ہوئے ربّ اکبر "بڑا خدا" ایک ہی کو تسلیم کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ دہریہ جو بظاہر خدا کے منکر ہیں مگر ان کے انکار کا یہی مطلب ہے کہ وہ خدا کو خدا نہیں مانتے دھوکے یا حماقت سے دہر کو خدا ماننے لگے۔ یورپ یا یونان کے ملحد اور زندیق فلاسفہ خدا کو خدا کے نام سے یاد نہیں کرتے۔ وہ علۃ العلل یا اس قسم کے کسی فلسفی لفظ سے اُس کو یاد کرتے ہیں وہ اس کے اوصاف نہیں مانتے جو اہل مذہب نے ملتے ہیں مگر اس تمام دائرہ تکوین اور تمام حوادثات کا مرجع ایک ہی کو مانتے ہیں ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے باپ کے وجود سے تو انکار نہیں کیا لیکن اپنے باپ کے سوا کسی اجنبی شخص یا کسی جانور کو باپ مان لیا۔

بہرحال یہ اجمالی تخیل جو ہر ایک کی فطرت میں ہے اس معاہدہ کے ثبوت کے لئے کافی ہے مگر شریعت نے صرف اتنی مقدار کو نجات کے لئے کافی قرار نہیں دیا بلکہ اس کے لئے اس ہدی اور ان احکام کی اتباع بھی ضروری ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسان تک پہنچایا گیا اور جس کا سلسلہ آخر میں حضرت خاتم الانبیاء علیہم السلام پر مکمل کر کے تمام دنیا کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب عہ

عہ یہ ایک ضمنی بحث تھی جو مختصر طور پر یہاں ذکر کی گئی تفصیلی جواب کیلئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کی تصنیف "انتصار الاسلام" کا مطالعہ فرمائیے۔ ۱۲-

عام عہد کے بعد خاص عہد

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

نبی الانبیاء کی حیثیت سے

(۱)

عہد الست، اُس کی تفسیر اور نوعیت اور اس کے شکوک و جوابات اجمالی طور پر پیش کئے جا چکے، آج ایک دوسرے عہد کا ذکر ہے جس کے متعلق کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس سے صراحتہً اس عہد کا بعد میں ہونا معلوم ہو کچھ "قرائن عہد الست کو ضرور متقدم قرار دیتے ہیں۔ مثلاً"

عہد الست حضرت حق جل مجدہٗ کی ربوبیت کے متعلق تھا اور یہ خاص منصب نبوت و رسالت کے متعلق ہے۔ نبوت کا ماننا لامحالہ خدا اور رب کو مان لینے کے بعد ہی ہوگا۔

(۲)

پہلے عہد کا وقت وہ بتایا گیا ہے جبکہ آدم علیہ السلام کی پشت سے اُن کی ذریات کو نمودار کیا گیا اور اس عہد کا وقت وہ بتایا گیا ہے کہ جب اس کی

اولاد میں سے انبیاء کو منتخب کر لیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ
لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ
ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ
قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی
ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ
فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ
فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(سورہ آل عمران ع ۹)

(پارہ ۳)

جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا میثاق لیا کہ جو کچھ بھی میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے۔ پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے اُن کتب الٰہیہ کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہیں تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اُس کی مدد کرو گے باری تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کر لیا انہوں نے جواب دیا ہم نے اقرار کیا۔ باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہد ہوں پھر جو کوئی اس کے بعد اس معاہدہ سے منحرف ہوں وہ فاسق ہوں گے

آیت مذکورہ کے بعد اس عہد و معاہدہ کے برحق ہونے میں تو ایک مسلمان کے لئے شک و شبہ کی گنجائش قطعاً نہیں۔ البتہ یہ سوال باقی رہا کہ یہ عہد کس سے لیا گیا' آیا عام طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے' یا خاص انبیاء علیہم السلام سے

علماء مفسرین سے دونوں تفسیر مروی ہیں۔ سیدنا شاہ ولی اللہ صاحب' سیدنا شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ اور تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے

نزدیک یہ عہد بھی عام انسانوں سے لیا گیا۔ گویا ذریات آدم سے دو عہد لئے گئے ایک رب العالمین کی ربوبیت پر' دوسرا انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر۔ اس تفسیر کے بموجب عہد کے یاد نہ رہنے کا اشکال یہاں بھی وارد ہوگا جس کے متعلق سرسری طور پر اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ تمام مذاہب متفقہ طور سے اس بات کے مدعی ہیں کہ اُن کا مذہب خدا نے کسی کے ذریعہ سے اُن پر نازل کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُس لانے والے کے متعلق اُن کے عقائد میں افراط و تفریط ہو گئی ہے۔ مثلاً عیسائیوں نے اس لانے والے کو اللہ کا بیٹا مان لیا ہندو اُن کو اوتار یعنی خداوند عالم کا مظہر قرار دیتے ہیں۔

مگر اس پر جملہ مذاہب کا اتفاق ہے کہ خدا کی طرف سے انسان کی ہدایت کے لیے کوئی ذریعہ قائم کیا گیا۔ دہریوں کی تھوڑی سی مقدار کو چھوڑ کر ربوبیت کی طرح سے بعثت اور نزول کا عقیدہ بھی ایک فطری جذبہ بن گیا ہے لیکن اکابر مفسرین نے اس کو مخصوص عہد قرار دیا ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا

عہد کا حاصل اور مفاد

وہ مضمون اس عہد کا لب لباب ہیں (۱) حضرت طاؤس' حسن بصری اور قتادہ رضی اللہ عنہم اس عہد کا حاصل یہ قرار دیتے ہیں۔

اخذ اللہ میثاق النبیین ان یصدق بعضہم بعضاً

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۴۶ ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کیا کریں گے۔

(۲) سیدنا علی ابن طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

ما بعث اللہ نبیا من الانبیاء الا اخذ علیہ المیثاق لئن بعث اللہ محمداً وھو حی لیومنن بہ ولینصرنہ وامرہ ان یاخذ المیثاق علی امتہ لئن بعث محمد وھم احیاء لیومنن بہ ولینصرنہ۔
(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۴۶)
(جلد ۲)

جس نبی کو بھی خداوند عالم نے مبعوث فرمایا اس سے عہد لے لیا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تو ضرور بالضرور آپ پر ایمان لائیں گے۔ اور ان کی امداد فرمائیں گے اور ان کو یہ حکم فرما دیا کہ اپنی امت سے بھی اس کا عہد لے لیں کہ اگر ان کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو ضرور بضرور ان پر ایمان لائیں۔ اور ان کی تائید و امداد کریں۔

اسی آخری مضمون کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے

والذی نفسی بیدہ لو اصبح فیکم موسیٰ علیہ السلام ثم اتبعتموہ وترکتمونی لضللتم انکم حظی من الامم وانا حظکم من النبیین (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۴۶ ج ۲)

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں موسیٰ علیہ السلام موجود ہوں اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کی اتباع کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ۔ تم امتوں میں سے میرا حصہ ہو اور میں نبیوں میں سے تمہارا حصہ۔

دوسری حدیث میں ہے۔

واللہ لو کان موسیٰ حیا بین **اظہرکم** ما حل لہ الا ان **یتبعنی** (تفسیر مذکور)

خدا کی قسم اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان میں زندہ ہوں تو ان کے لئے صرف یہی شکل جائز ہو گی کہ وہ میری اتباع کریں۔

علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اسی آخری مضمون کے اعتماد پر نہایت قوت سے بیان کیا کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے نبی ہیں۔ یوم ازل سے آپ نبی بنائے گئے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت آپ کی نبوت و رسالت کا پرتو ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

کنت نبیا وآدم بین الماء والطین۔

میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام کے پتلے کی مٹی تیار کی جا رہی تھی۔

اور اگر غور کیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی " اوّل ما خلق اللہ نوری " (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا) بھی آپ کے نبی الانبیاء ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ

(۱) صفات الٰہیہ کے التفات و انعطاف کا سب سے پہلا ثمرہ نور محمدی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲) جبکہ باری تعالیٰ عز اسمہ کی ہر صفت کمال ہی کمال ہے تو لا محالہ سب سے پہلی مخلوق کامل اور مکمل، اکمل اور افضل ہو گی اور جبکہ نبوت ایک اعلیٰ کمال ہے تو لا محالہ سب سے پہلی مخلوق اس صفت سے بھی موصوف ہو گی۔

لطیفہ۔ اس نور کا مخصوص وصف حمد تھا۔ چنانچہ حامدٌ محمودٌ احمدُ

محمدؐ اُس کے اسمارِ گرامی ہیں اسی کے ہاتھ میں قیامت کے روز لوائے حمد ہوگا اور وہی عرش معلّی کے نیچے سربسجود ہوکر ایسی حمد کرے گا جس کی نظیر سے سارا عالم خالی ہوگا۔ حمد کے معنی ہیں ثناخوانی، نیازمندی، خالق کی بارگاہ میں سجدہ ریزی، خشوع، خضوع، اپنے رب کے آستانہ پر جبہ سائی، تضرّع اور ابتہال، شکر اور امتنان۔

خداوند عالم نے قرآن پاک میں اپنی عادت یہ بتائی ہے

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ — اگر تم شکر کروگے تو میں بڑھاؤں گا

اس نورِ کامل و مکمل کی کامل و مکمل حمد کا اثر تھا کہ سلسلۂ مخلوقات میں وسعت اور پھیلاؤ شروع ہوا۔ قلم، لوحِ محفوظ، عرش، کرسی، زمین، آسمان، فرشتے جنّات، حتیٰ کہ حضرت آدم اور اُن کی ذریت پیدا ہوئی۔ نتیجہ کلام یہ کہ ساری کائنات کا مرجع اور مرکز یہی نورِ قدسی تھا۔ اسی کے فیض سے جملہ کمالات، جملہ موجودات کا ظہور رہا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لولاک لما خلقت الافلاک — اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو (یعنی عالم) پیدا نہ کرتا

بہرحال جبکہ نورِ قدسی کائنات عالم کے جملہ کمالات کے لئے اصل ہوا تو انبیاء علیہم السلام کی نبوت، رسل علیہم السلام کی رسالت، اولیاء اللہ کی ولایت کی اصل بھی وہی نورِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔ یہی باعث ہے کہ آپ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے نبی تھے اور یہی باعث ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے آپ کی نبوت پر عہد لیا گیا۔ اور یہی سبب ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہوئے کیونکہ تخم اگرچہ اصل کے لحاظ سے مقدم

ہوتا ہے، مگر اپنے ظہور کے لحاظ سے درخت کے برگ و بار، ٹہنیوں، شاخوں، پھول اور کلیوں غرض درخت کی تمام ہی چیزوں سے موخر ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ شب معراج میں آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے امام بنائے گئے اور پھر اُس درجۂ اعلیٰ تک پہنچے جہاں تک کائنات کا کوئی فرد نہ کبھی پہنچ سکا نہ پہنچ سکے گا۔ یہی سبب ہے کہ آپ قیامت کے روز آپؐ جیسے شفیع المذنبین ہوں گے اسی طرح آپ شفیع الانبیاء بھی ہوں گے۔

صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب تمام انسان ایک دراز عرصہ تک میدانِ حشر میں سرگرداں رہ چکیں گے اور اب تک ان کا حساب و کتاب بھی شروع نہ ہوا ہوگا تو وہ اس کی کوشش کریں گے کہ کوئی مقبولِ بارگاہ یہی دعا کردے کہ حساب جلد شروع ہوجائے وہ اس سفارش کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے مگر یکے بعد دیگرے جملہ انبیاء علیہم السلام اس خدمت کی بجاآوری سے معذرت کردیں گے۔ بالآخر وہ سید الانبیاء رحمۃ للعالمین کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں گے آپ اس وقت بارگاہ ربِّ صمد میں سرِ نیاز خم فرما کر وہ حمد کریں گے کہ سارا عالم اس کی نظیر سے عاجز ہوگا۔ تب ارشادِ ربّانی ہوگا "یا محمد ارفع راسک سل تعط اشفع تشفع" اے محمدؐ اپنا سر اٹھاؤ مانگو، عطا کیے جاؤ گے شفاعت کرو تمہاری شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفاعت تمام ہی انسانوں کے لئے عام ہوگی اس کے بعد آپ کی شفاعت وقتاً فوقتاً اپنی اُمت کے لئے ہوگی

بہر حال آپ نہ صرف شفیع المذنبین ہیں بلکہ آپ شفیع الانبیاء شفیع عالم بھی ہیں۔ کیوں نہ ہوں آخر رحمۃ للعالمین ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

سیدنا آدم علیہ السلام دنیا میں

یوم پیدائش[1] (یعنی جس روز کالبد خاکی کو انسانی شکل مرحمت ہوئی) جمعہ

دنیا میں آنے کا دن (یعنی جس روز جنت[2] سے خارج کرکے دنیا میں بھیجا گیا) جمعہ۔

---

[1] صحیح مسلم شریف میں ہے۔ ان تمام ایام میں کہ آفتاب طلوع کرتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے۔ اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے۔ اسی دن جنت میں داخل کیے گئے۔ اسی دن جنت سے نکالے گئے، اور اسی دن قیامت ہوگی (صحیح مسلم شریف اور مسند احمد وغیرہ بحوالہ تاریخ ابن کثیر صفحہ ج ۱) اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی، طبقات ابن سعد صفحہ ج ۱ (فائدہ) پیدائش انسانی کا جو مقصد ہے چونکہ جنت میں جانا، جنت سے خارج ہونا اور قیامت وغیرہ اس کے درمیانی مراحل مقرر کیے گئے ہیں لہٰذا ان چیزوں کے وقوع کے دن کو بہتر اور اشرف بنایا گیا (واللہ اعلم) محمد میاں

[2] جنت کے لغوی معنی باغ ہیں، علماء کا اختلاف ہے کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت آدم علیہ السلام کا حلیہ رنگ گندم گوں[1] آنکھیں سرمگیں[2] بال گھونگریالے گھنے اور لانبے۔ ایسے حسین اور خوب صورت کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سوا اور کسی کو آپ کی اولاد میں ایسا حسن نہیں عنایت کیا گیا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ لانبا پیدا کیا۔ پھر حکم فرمایا کہ آدم فرشتوں کے اس مجمع کے پاس جاؤ۔ اور ان کو سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں چنانچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جنت جس میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا وہ وہی جنت ہے جس کا تذکرہ شرعیات میں کیا جاتا ہے۔ یعنی جو نیک بندوں کو بطور جزا عنایت فرمائی جائے گی۔ یا کوئی اور جنت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے چار قول نقل فرمائے ہیں (۱) جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ جنت سے مراد وہی جنت ہے جو اہل ایمان کو بطور جزا کے مرحمت ہوگی (۲) یہ ایک مخصوص باغیچہ تھا جو آسمانوں پر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کو اس میں رکھا گیا تھا۔ حضرت ابی بن کعب حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت وہب بن منبہ۔ حضرت سفیان بن عیینہ وغیرہ سے یہی قول نقل کیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین سے بھی ایک روایت یہی ہے (تاریخ ابن کثیر صفحہ ۷۵ ج ۱) (۳) یہ مخصوص باغیچہ زمین ہی پر تھا (ابن یحییٰ وغیرہ) (۴) توقف کرنا چاہیے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے (تاریخ ابن کثیر صفحہ ۷۵ ج ۱)

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ج ۱ [2] طبقات ابن سعد صفحہ ج ۱ [3] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۳ ج ۱

بدلیل ارشاد ربانی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے پاس پہنچکر فرمایا۔ السلام علیکم۔
فرشتوں نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں جانے والوں کا قد
یہی ہوگا۔ یعنی ۶۰ ہاتھ لانبا۔ پھر اولاد آدم کا قد گھٹتا رہا (بخاری شریف وغیرہ)
آدم علیہ السلام کا عرض سات ہاتھ تھا۔ (مسند امام احمد حنبل)
کھجور کے تنے کی طرح چھریرہ اور لانبا قد۔ سر پر لانبے لانبے گھونگریالے گھنے
بال) طبقات ابن سعد صفحہ ۱۰ ج ۹

فرودگاہ

آدم علیہ السلام کو کس جگہ اُتارا گیا۔ اس میں مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل بحوالہ تاریخ ابن کثیر صفحہ ۸۱ ج ۱ ذیل میں
درج ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کو دُحْنَا
میں اتارا گیا۔ یہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے (حضرت

ایک ہاتھ عموماً انسان کی لمبائی کا ایک چوتھائی ہوتا ہے اب اگر ہاتھ یا ساٹھ ہاتھ سے
مراد موجودہ زمانہ کے ہاتھ کی لمبائی ہو تو آدم علیہ السلام کا قد تقریباً تیس گز ہوگا۔
ورنہ قامت آدم علیہ السلام کی مقدار بتانی مشکل ہے۔ مگر بظاہر ہاتھ سے مراد وہی ہے جسکو
عرفاً ذراع یا ہاتھ کہا جاتا ہے کیونکہ محاورات عربیہ میں ذراع سے یہی مراد
ہوتی ہے اس کے متعلق کچھ اشارات پہلے بھی عرض کیے جا چکے ہیں۔ واللہ اعلم محمد میاں
تاریخ ابن کثیر صفحہ ۸۸ ج ۱

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں حضرت حوا کو
جدہ میں۔ ابلیس کو دستمیسان میں (بحر بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے)
سانپ کو اصبہان میں اتارا گیا۔

حضرت سُدّی رحمۃ اللہ (جلیل القدر مفسر ہیں) حضرت آدم علیہ السلام کو
ہندوستان میں اُتارا گیا اور ان کے ساتھ حجر اسود بھی تھا جو برف کی سل سے
بھی زیادہ چمکیلا اور سفید تھا اور مٹھی بھر جنتی درختوں کے پتے تھے۔ ان پتوں
کو سرزمین ہند میں بکھیر دیا۔ جن سے خوشبودار درخت اور پودے پیدا ہوئے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت آدم علیہ السلام کو صفا پر
اور حضرت حوا کو مروہ پر۔

صفا اور مروہ مکہ معظمہ کے قریب دو پہاڑیاں ہیں۔ دوران حج میں
ان کا طواف کیا جاتا ہے (ابن کثیر صفحہ ۸۰ ج ۱)

حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے
ایک پہاڑ پر جس کا نام "نوذ" تھا حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا گیا
اور حضرت حوا کو جدہ میں اتارا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت کے کچھ پھول اور خوشبو
بھی تھی جس کو سرزمین ہندوستان نے اپنے اندر فوراً ہی جذب
کر لیا۔ یہی سبب ہے کہ پھول دار اور خوشبودار درخت ہندوستان
میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کون کون سی چیزیں نازل کی گئیں

حضرت حوا[1]۔ شیطان[2]
سانپ[3]۔ حجر اسود[4]
جنتی درختوں کی پتیاں[5]

یا پھولوں کی پنکھڑیاں وہ لاٹھی جو جنت کے درخت "آس" کی تھی اس کا طول ۱۳ ہاتھ تھا۔ یہی لاٹھی ہے جو سلسلہ بسلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی اور یہی لاٹھی تھی جو اظہار معجزہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور التجا کے بموجب اژدہا بن جاتی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کا قد بھی ۱۲ ہاتھ لانبا تھا۔ مُر[6] یعنی بیلچہ۔ کدال۔ لبان[7] کندر یا صنوبر۔ علاة[8] یعنی سندان میطرقہ[9] یعنی ہتھوڑا گھن۔ کلبتان[10]۔ سنڈاسی

عـلـه طبقات ابن سعد - ۱۲ -

حضرت آدم علیہ السلام دُنیا میں

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ

جنت سے خارج کیا جانا اور حضرت حق جل مجدہٗ کا عتاب مصیبت کے دو پہاڑ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے اوپر تقدیر کے ہاتھوں توڑے گئے مگر وہی خدا وہی رب العالمین جس کی رحمت اُس کے غضب سے آگے آگے چلا کرتی ہے۔ "سبقت رحمتی علیٰ غضبی" جس کی دائمی اور ابدی ندا ہے۔

یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ	اے میرے بندو جو اپنے نفوس پر زیادتی
انفسهم لا تقنطوا من رحمة	کر چکے ہو۔ خدا کی رحمت سے مایوس مت
الله ان الله یغفر الذنوب	ہو۔ خداوند عالم تمام گناہوں کو بخش
جمیعا ط	دیتا ہے۔

اس کی رحمت کی پوشیدہ عنایت ابر نیساں بن کر حضرت آدم علیہ السلام پر برسی۔ اور اس کی تنادابی حضرت آدم کے غنچہ دل کی طرف لپکی' وہ فطری شرف ــــ جو مدار فضیلت تھا' جو مینار خلافت تھا۔ نمودار ہوا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے قلب کو فرط ندامت سے پانی پانی کر دیا۔ جگر خون بنا اور آنکھوں سے یکلخت بہنے لگا۔

قلب و جگر کے تاثر نے آنکھوں کی طرح زبان کو بھی متاثر کیا اور بقول حضرت مجاہد اس قسم کے کلمات حضرت آدم علیہ السلام کی زبان سے جاری ہوئے۔

اللّٰھم لا الٰہ الا انت سبحانک وبحمدک ظلمت نفسی فاغفرلی انک خیر الغافرین

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر ایک عیب سے پاک ہے۔ میں تیری حمد کرتا ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا خداوندا میری مغفرت فرما تو بہت ہی اچھا بخشنے والا ہے۔

اللھم لا الٰہ الا انت سبحانک وبحمدک رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی انک خیر الراحمین

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر ایک عیب سے پاک ہے میں تیری حمد کرتا ہوں۔ اے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ میری مغفرت فرما۔ تو ارحم الراحمین ہے۔

اللھم لا الٰہ الا انت سبحانک وبحمدک رب انی ظلمت نفسی فتب علیّ انک انت التواب الرحیم

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر ایک عیب سے پاک ہے میں تیری حمد کرتا ہوں۔ اے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا میری توبہ قبول فرما تو تواب اور رحیم ہے۔

سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب، خالد بن

معدان، عطار خراسانی، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نیز مجاہد (رضی اللہ عنہم) کا قول یہ ہے کہ حضرت آدم کی دعا یہ تھی۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ○

اے رب ہمارے ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خاسر ہو جائیں گے۔

ناظرین کرام سمجھ سکتے ہیں کہ مضمون ایک ہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے ابن عساکر، بیہقی، حاکم نے ایک ضعیف سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم نے پکارا۔

یارب انی اسئلک بحق محمد ان غفرت لی

اے رب بحق محمد میری مغفرت فرما۔

حضرت حق کی جانب سے سوال کیا گیا۔ "تم نے محمد کو کیسے پہچانا"

حضرت آدم نے جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میں نے عرش معلی پر نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لکھا ہوا ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں نے جب ہی جان لیا کہ آپ کے نام کے ساتھ اسی کا نام ملا کر لکھا گیا ہے۔ جو تمام مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت حق جل مجدہ نے آدم سچ کہتے ہو۔ بیشک وہ تمام مخلوق میں سب سے محبوب ہیں اور جب تم ان کے طفیل میں مجھ سے معافی چاہتے ہو تو میں نے تم کو معاف کیا۔ اگر "محمد" نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔

نیز امام بیہقی فرماتے ہیں۔ اس روایت کو صرف عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بیان کیا ہے۔ مگر قابل اعتبار نہیں۔ (ابن کثیر ص۸۱ ج۱)

القصہ دعا کے لئے حضرت آدم علیہ السلام نے کچھ بھی کلمات استعمال کئے ہوں بہرحال نتیجہ یہ تھا

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ — خدا نے اس کو برگزیدہ بنایا۔ توبہ قبول کی اور ہدایت سے نوازا۔

قیامِ جنت اور جلاوطنی کی مدت

جنت میں قیام فرمانے کے متعلق قرآن پاک اور مستند احادیث میں کسی مدت کا ذکر نہیں۔ بلکہ آیات قرآنی کے سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں سلسلہ وار مزید تاخیر کے بدون ظہور پذیر ہوتی رہیں۔

مگر بعض روایات میں ان واقعات کی مدت کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت حسنؓ سے نقل کیا ہے کہ جنت سے نکلنے پر حضرت آدم علیہ السلام تین سو برس روتے رہے۔ ایک طویل روایت کے ضمن میں ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ

"آدم و حوّا" کا دوبارہ اجتماع مقام مزدلفہ پر ہوا حضرت حوّا کھسکتی ہوئی حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں اسی مناسبت سے اس مقام کا نام "مزدلفہ" ہے (از دلاف۔ کھسکنا۔ قریب ہونا) نیز اسی مقام کو جمع بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت حوا اور حضرت آدم علیہ السلام کا اجتماع اسی مقام پر ہوا تھا

ٰ ابن سعد ص۱ ج۱

مقام عرفات پر ایک دوسرے کو پہچانا۔ چنانچہ اس کا نام عرفات ہوا (ماخوذ از معرفت) اور دو سو برس تک اپنے فعل پر روتے رہے اور چالیس روز تک کچھ کھایا پیا نہیں۔ اور سو برس تک حضرت حوا کے پاس نہیں گئے اس کے بعد حضرت حوا سے مباشرت ہوئی تو سلسلۂ ولادت جاری ہوا۔

(ابن سعد ص۱۳ ج۱)

حافظ ابن عساکر نے امام تفسیر حضرت مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو اللہ کی ہمسائیگی سے الگ کردیں۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سر سے ٹوپی اتاری اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے مرصع پٹی جو پیشانی پر بندھی ہوئی تھی کھول دی۔ اسی اثناء میں ایک ٹہنی حضرت آدم علیہ السلام کے بدن سے الجھ گئی۔ سیدنا آدم پہلے ہی خوفزدہ خوف الٰہی اور خشیۃ الٰہی کے باعث حواس باختہ ہو رہے تھے۔ اس الجھاؤ سے سمجھ گئے کہ عذاب الٰہی آگیا فوراً العفو۔ العفو" کہتے ہوئے نیچے کو سر جھکا لیا۔

ارشاد الٰہی ہوا ــــ" آدم کیا بھاگنے کے لئے نیچے کو دیکھ رہے ہو؟"

حضرت آدم ــــ"میرے مالک حیا کے باعث سرنگوں ہوں۔ تجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤں۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"آدم علیہ السلام کا بدن چھریرہ تھا۔ قد دراز۔ جیسے کھجور کا تنہ۔ سر پر لانبے لانبے گھنے بال۔ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو ان کی

شرمگاہ نظر آنے لگی پہلے دکھائی نہیں دیتی تھی (یعنی برہنہ ہوگئے) تب حضرت آدم علیہ السلام گھبرا کر جنت میں بھاگنے لگے۔ تو ایک درخت میں الجھ گئے آپ نے فوراً کہا —— "چھوڑ"

درخت —— "نہیں چھوڑوں گا" —— آپ درخت کی اسی حالی یا قالی گفتگو میں مشغول تھے کہ ندا آئی —— آدم —— مجھ سے بھاگتے ہو ——

حضرت آدم —— "خداوندا شرمندہ ہوں۔ منہ چھپاتا ہوں" [1]

امام اوزاعیؒ نے حضرت حسان بن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں سو سال رہے اور ایک روایت میں ستر سال کا تذکرہ ہے اور جنت سے نکالے جانے پر ستر سال روئے۔ اپنی خطا پر ستر سال اور لڑکے کے قتل کئے جانے پر چالیس سال۔ [2]

سلسلۂ پیدائش

یہ پہلے گذر چکا کہ نص قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا کے فراق کی کوئی مدت بیان نہیں کی اور نہ وضاحت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ باہمی فراق بھی ہوا تھا۔ البتہ کچھ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا کے درمیان فراق رہا۔

مقدار مدت کے بیان میں روایتوں کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں فراق کی مدت سو سال بتائی گئی ہے۔ بہرحال دنیا

---

[1] ابن سعد صفحہ ۹ ج ۱ [2] ابن کثیر صفحہ ۸۰ ج ۱

میں اجتماع ہوا تو سلسلہ ولادت شروع ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک ایک مرتبہ ایک ایک لڑکا اور ایک ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی [1]

پہلوٹا لڑکی یا لڑکا

سب سے پہلے قابیل اور اس کی بہن لبود پیدا ہوئے۔ دوسری مرتبہ میں ہابیل اور ان کی بہن اقلیم پیدا ہوئے۔ ان کے بعد حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور ان کی بہن جن کا نام عزورا تھا۔ حضرت شیث کا نام ھبۃ اللہ رکھا گیا۔ گویا ہبہ کا لفظ۔ ہابیل سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ خداوند عالم نے ہابیل (جو شہید ہو چکے تھے جن کا تذکرہ آیندہ آئے گا) کے عوض میں ہبہ فرمایا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے انھیں کو اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی تھی حضرت شیث کی پیدائش کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آئے ہوئے ایک سو تیس سال گذر چکے تھے۔ [2]

تشبہ شرک فی الصفات اور خداوندی تنبیہ

ابن سعد نے ایک طویل روایت کے ضمن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس کے بعد پھر حضرت حوّا کو استقرار حمل ہوا مگر اس مرتبہ ان کو گرانی بہت زیادہ تھی۔ انھیں تعجب تھا کہ یہ

---

[1] ابن سعد صفحہ ۱۰ [2] ابن سعد صفحہ ۱۲

مرتبہ انہیں اس قدر گرانی کیوں ہے۔ شیطان ایک مقدس شکل بنا کر سامنے آیا۔ اس نے دریافت کیا۔ "حوّا تمہارے پیٹ میں کیا ہے؟"

حضرت حوّا۔ "مجھے خبر نہیں۔"

شیطان۔ "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی جانور ہے؟"

حضرت حوّا۔ "شاید ایسا ہی ہو۔"

چند دن بعد شیطان پھر سامنے آیا۔ حضرت حوّا کی گرانی دن بدن زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ شیطان نے حالت دریافت کی۔ حضرت حوّا نے فرمایا "شاید آپ کا خیال صحیح ہو، غالباً کوئی جانور ہی ہے۔"

شیطان نے کہا "اگر میں دعا کروں اور جانور انسان ہو جائے تو کیا تم اس کا نام میرے نام پر رکھ دو گی۔"

حضرت حوّا نے فرمایا "ضرور اس میں کیا خرابی ہے۔"

شیطان چلا گیا۔ حضرت حوّا نے حضرت آدم علیہ السلام سے واقعہ بیان کیا۔ اب آدم اور حوّا دونوں کو اس حمل کا خیال رہتا ضرور تھا اور وہ دعا مانگا کرتے تھے۔

لئن آتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین (قرآن کریم)	خداوندا۔ اگر آپ ہمیں اچھا لڑکا عنایت فرمائیں تو ہم شکر گزار ہوں گے۔

خداوند عالم کا فضل ہوا۔ صحیح و سالم بچہ پیدا ہوا تو شیطان حضرت حوّا کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ وعدہ پورا نہیں کرتیں، اس کا نام میرے نام پر نہیں رکھا۔ حضرت حوا نے فرمایا۔ تمہارا نام تو معلوم تھا ہی نہیں، نام بتا دیجئے۔"

شیطان کا نام عزازیل ہے۔ لیکن اگر وہ یہ نام بتاتا تو حضرت حوّا پہچان جاتیں لہٰذا اس نے اپنا نام حارث بتایا۔ چنانچہ حضرت حوا نے اس کا نام "عبدالحارث" بندہ حارث رکھا۔ خدا کی شان وہ لڑکا مر گیا۔ [۱]

تب خداوند عالم کی جانب سے تنبیہہ نازل ہوئی۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح فرمایا گیا۔

فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔	جب خداوند عالم نے ان کو اچھا لڑکا عنایت فرمایا تو خدا کے عطیہ میں وہ دوسروں کو شریک گردانے لگے۔ خدا کی شان ان کے شرک سے بہت بلند ہے۔

حضرت آدم کے بچے

حضرت حوّا کے بطن سے ۴۰ بچے پیدا ہوئے (ابن جریر طبری) ابن اسحاق نے ان کے نام بھی شمار کرائے ہیں۔ ایک قول ہے کہ ۱۲۰ بچے پیدا ہوئے۔

---

[۱] ابن سعد ص۱۳ ج ۱۔ کہہ سکتے ہو کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے فطرت نے اس کا تخم حضرت آدم کی حیات ہی میں انسانی طبیعت میں ودیعت فرما دیا تھا مگر ابن اثیر نے اس روایت کی مخالفت کی ہے اور استدلال یہ ہے کہ قرآن پاک میں احسان فرماتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وبث منهما رجالا كثيرا ونساء تو اب اولاد کا مرنا اس آیت کے مقتضا کے خلاف ہے نیز نبوت آدم اور حضرت حوا کی نیکی اور صلاحیت اس سے مخالف ہے حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ بظاہر آیت سے مراد خاص حضرت آدم اور حوا کا واقعہ نہیں بلکہ نوع انسان کی عام حقیقت بیان کرنی مقصود ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ہر لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی۔ سب سے پہلے قابیل اور اس کی بہن اقلیمہ اور سب سے آخر میں عبدالمغیث اور بہن ام المغیث پیدا ہوئے۔ (ابن کثیر صہ ۹۶)

وفات کے وقت اولاد حضرت آدم (علیہ السلام) کی تعداد

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ آپ کے پوتے پڑپوتے چالیس ہزار ہو چکے اور جب کہ آپ نے ان کو زنا اور شراب خوری میں مبتلا ہوتے دیکھ لیا یہ سب لوگ "نوذ" مقام پر رہا کرتے تھے جو ہندوستان میں تھا (ابن کثیر صہ ۹۶)۔

ذرائع کسب

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں فرماتے ہیں جب خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اتارا تو ہر ایک چیز بنانے کا طریقہ (صنعت) ان کو سکھا دی تھی، اور ان کو جنت کے پھلوں کا توشہ دیا تھا چنانچہ آج یہ تمہارے پھل وہ جنت ہی کے پھل ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ دنیا کے پھل بدلتے رہتے ہیں (سڑ جاتے ہیں سوکھ جاتے ہیں وغیرہ) اور جنت کے پھل متغیر نہیں ہوتے۔ [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے جو خوراک دی گئی وہ گیہوں کے سات دانے تھے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو مرحمت فرمائے تھے

---

[1] تاریخ ابن کثیر صہ ج ا۔ بحوالہ مصنف عبدالرزاق

حضرت آدم نے فرمایا۔ یہ کیا ہے؟

حضرت جبرئیل۔ یہ وہی شجر ہے جس کی آپ کو ممانعت تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام۔ اب میں کیا کروں؟

حضرت جبرئیل۔ زمین میں بو دو۔ چنانچہ حضرت جبرئیل نے ان کو زمین میں بو دیا۔

بہر حال درخت جم آیا۔ پھر اس کو کاٹا، پھر صاف کیا، پھٹکا، پچھوڑا، پھر پیسا، پھر گوندھا، پھر اس کی روٹی پکائی۔

الحاصل ایک بڑی محنت کے بعد وہ دانے پیٹ تک پہنچ سکے۔ قرآن پاک میں اسی محنت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا گیا تھا فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو جنت سے نکال دے پھر تم (جنت کی بے فکری سے) محروم ہو جاؤ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو غیب سے مُر (بیلچہ، کدال) اور علکدہ یعنی سندان، مطرقہ یعنی ہتھوڑا، کلبتان یعنی سنڈاسی بھی دی گئی تھی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام پہاڑ پر تھے جس پر ان کو اتارا گیا تھا تو انہوں نے ایک لوہے کی سلاخ دیکھی جو زمین سے نکلی ہوئی تھی جیسے کوئی درخت اگا ہوا ہو تو اس کو دیکھتے ہی کہا یہ "ہتھوڑا" اسی کا ہے۔ پھر سوکھے درخت توڑ توڑ کر سوختہ فراہم کیا اور اس کو جلا کر لوہے کو پگھلا دیا اور چھری ڈھالی یہ سب سے پہلی چیز تھی جو بنائی گئی پھر آہنی تنور بنایا گیا یہی تنور تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کو ترکہ میں ملا تھا اور اسی میں طوفانِ نوح کے

کے وقت سب سے پہلے عذاب کا چشمہ اُبلا تھا۔

لباس

تاریخ ابن کثیر میں ہے۔

کان اوّل کسورتھما من شعر الضان جزّاہ ثم غزلاہ فنسج آدم لہ جبۃ و لحواء ودعا دخمارا۔ (ص۹۲ ج۱)

اُن کا سب سے پہلا لباس بھیڑ کے بالوں کا تھا حضرت آدم اور حوّا نے بال کاٹے پھر دونوں نے ان کو کاتا۔ پھر آدم علیہ السلام نے اپنے لئے جُبّہ اور حضرت حوّا کے لئے کرتا اور اوڑھنی بُنی۔"

ابن سعد نے اس کی تفصیل بیان کی ہے

جب حضرت حق جل مجدہٗ نے آدم علیہ السلام کی برہنگی پر نظر فرمائی تو حکم فرمایا کہ آٹھ جوڑے جو آسمان سے نازل کئے گئے ہیں، اُن میں سے ایک دُنبہ لیں اور اس کو ذبح کرلیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے دُنبہ ذبح کیا اور اس کے اُون کو حضرت حوّا نے کاتا اور پھر حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا نے مل کر اُس کو بُنا۔ چنانچہ اُس سے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے لیے جُبّہ اور حضرت حوّا کے لیے کرتا اور اوڑھنی بنائی۔ (ابن سعد)[1]

اولادِ آدم علیہ السلام کا نکاح

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے جوڑواں بچے ہوتے تھے۔ جب اولاد بالغ ہونے لگی تو حکم نازل ہوا کہ

---

[1] ابن سعد ابن کثیر وغیرہ۔

بطن اول کے لڑکے کا نکاح بطن ثانی کی لڑکی سے اور بطن ثانی کے لڑکے کا نکاح بطن اول کی لڑکی سے کردیں۔ (ص۱۳ طبقات ابن سعد)

اولادِ آدم کا کسب

بڑے لڑکے نے کھیتی شروع کی۔ چھوٹا لڑکا بکریاں چراتا تھا۔ (ابن سعد)

بیت اللہ کی تعمیر

وحی نازل ہوئی۔ آدم میرے عرش کے آس پاس میرا حرم ہے۔ تم اس حرم کے

---

[1] سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرش کا طول وعرض زمین اور ساتوں آسمانوں سے بھی بہت زیادہ ہے۔ جیسا کہ آیات کتاب اللہ کے اشارات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے جنتیں آسمانوں کے اوپر ہیں اور بخاری شریف کی ایک روایت میں (جو شہداء فی سبیل اللہ کے اجر وثواب اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے مدارج کے سلسلہ میں کتاب الجہاد میں وارد ہوئی ہے) بتایا گیا ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان پانچسو سال کی مسافت ہے۔ اسطرح پچاس ہزار سال کی مسافت صرف جنت کے درجات میں ہے۔ اب تیز رفتار سواری سے مسافت طے کیجائے تو ظاہر ہے کہ اس کا اندازہ اعداد وشمار کے آخری درجہ پر پہنچے گا پھر ان تمام مسافتوں کے اوپر عرش رحمان ہے تو اس کا طول وعرض تو لامحالہ گنتی کے دائرہ سے خارج ہوگا۔ تو اتنی طویل بلکہ لامحدود کے مقابلہ پر زمین کیسے آسکتی ہے حالانکہ خانہ کعبہ کا طول وعرض تقریبًا ۱۵×۱۵ گز ہے یہ سوال بظاہر بہت اہم ہے لیکن جب اقلیدس کے نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو جواب بالکل واضح ہے کیونکہ جب آسمانوں اور زمینوں کو گردی (گول) اور طباق یعنی ایک دوسرے کے اوپر مانا گیا ہے تو لامحالہ بڑے دائرہ کے مقابلہ پر چھوٹے دائرہ کا حصہ بہت چھوٹا ہوگا کیونکہ کسی مرکز کو جب مثلث کا نقطہ بناکر خطوط کھینچے جائیں تو (باقی اگلے صفحہ پر)

بالمقابل زمین پر میرے لئے بیت بناؤ۔ پھر اُس کے پاس جمع رہو جیسے کہ تم نے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ وہ میرے عرش کے ارد گرد جمع رہتے ہیں۔ وہاں تمہاری اور تمہاری اولاد کی دعا قبول کی جائے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے التجا کی۔ خداوندا میں کس طرح معلوم کر سکتا ہوں کہ زمین کا کون سا حصہ حریم عرش کے مقابلہ میں ہے۔ خداوند عالم نے کچھ فرشتے بھیجدیئے جو حضرت آدم علیہ السلام کو بیت اللہ (کعبہ مکرمہ) کی طرف لے چلے۔ اس سفر میں جہاں جہاں کوئی اچھی جگہ نظر آتی تھی حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے قیام کے لئے فرمائش کرتے۔ یہ تمام مقامات بڑے بڑے شہر ہو گئے اور جن جن حصوں سے گزر گئے وہ خالی میدان رہے۔ بہر حال حضرت آدم علیہ السلام اس مقام پر پہنچے جہاں کعبہ کی تعمیر ہونی تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پانچ پہاڑوں کے پتھر سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ طور سینا۔ طور زیتون۔ لبنان۔ جودی اور اس کے کھنبے حرا پہاڑ کے پتھر سے بنائے۔

جب تعمیر بیت اللہ سے فارغ ہوئے تو فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کو عرفات لے گئے۔ وہاں ان تمام مناسک سے مطلع کیا جن کو آج ادا کیا جاتا ہے اس کے بعد مکہ معظمہ میں لائے جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے سات مرتبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مثلث کی دو شاخیں جسقدر بڑھتی رہیں گی اتنا ہی ان ساتوں کے درمیان کا فاصلہ بڑھتا رہے گا۔ مثلاً ← ۷ محمد میاں ؎ یعنی سرزمین مکہ میں خانہ کعبہ کے اطراف

بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو دوبارہ ہندوستان واپس لائے جہاں "نوذ" مقام پر آپ کی وفات ہوئی۔

حج | حضرت آدم علیہ السلام نے پا پیادہ چالیس حج ادا کیے۔ (ابن سعد)

دنیا میں سب سے پہلی خوں ریزی

(سب سے پہلا ظالم۔ سب سے پہلا مظلوم اور سب سے پہلا مبتلا ء فساد)

حضرت آدم علیہ السلام کا بڑا لڑکا (جس کا نام قابیل بتایا جاتا ہے) کھیتی کرنے لگا تھا۔ چھوٹا لڑکا (جس کا نام ہابیل بیان کیا گیا ہے) بکری چراتا تھا۔

کھیتی والے کی بہن خوبصورت تھی۔ مگر اس سے اس کا نکاح اس زمانہ کے قانون کے بموجب نہیں ہو سکتا تھا۔ (جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا) بکریوں والے (چھوٹے لڑکے) کی بہن بدصورت تھی۔ اس کا نکاح کھیتی والے سے ہونا چاہیئے تھا۔ مگر بڑے لڑکے (یعنی کھیتی والے) کی نیت میں فساد آگیا۔ اس نے چاہا کہ حکم شریعت کے برخلاف حقیقی بہن کو حبالہ عقد میں لے آئے۔ حالانکہ یہ شکل حرام اور ممنوع تھی۔ اب دونوں بھائیوں میں آپس میں بحث ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بتایا کہ خداوند عالم کا حکم یہی ہے تو قابیل نے اس کو آدم کی من گھڑت بتا کر انکار کر دیا۔ چھوٹے بھائی یعنی ہابیل نے کہا اچھا اپنی اپنی قربانیاں پیش کریں جس کی قربانی قبول ہو جائے گی وہی اس لڑکی کا مستحق ہو گا۔ چنانچہ ہابیل

جس کے پاس بکریاں تھیں وہ اچھی قسم کا ایک سفید دنبہ سینگوں والا موٹا تازہ نہایت مسرت کے ساتھ قربانی کے لئے لایا۔ اور قابیل جو کھیتی کیا کرتا اس نے تنگ دلی اور کدورت کے ساتھ خراب غلہ کا ایک ڈھیر لگا دیا اور دل میں یہی خیال تھا کہ قربانی قبول ہو یا نہ ہو۔۔۔۔ مجھے بہرحال حسینہ سے نکاح کرنا ہے۔ پس یہ دُنبہ قبول کر لیا گیا اور اس کو خداوند عالم نے محفوظ رکھا چنانچہ روایت ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بجائے جو دُنبہ غیب سے آکر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح ہوا تھا وہ یہی دُنبہ تھا۔ اس دُنبہ کو چالیس سال جنت میں بھی رکھا گیا تھا۔

اب قابیل بہت جھنجھلایا۔ اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا۔ ہابیل نے کہا اگر تو مجھے مارنے کو ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیرے قتل کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ قربانی پیش کرنا تو شریعت کے مطابق تھا۔ قتل و خون شرعاً حرام ہے۔ میں اس کا ارتکاب نہ کروں گا۔ میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی

لہ اس زمانے کا طریقہ یہ تھا کہ قربانی کا سامان میدان میں رکھ دیا جاتا تھا۔ ایک آگ غیب سے ظاہر ہوتی تھی جس کی قربانی کو وہ آگ جلا دیتی تھی وہ مقبول مانی جاتی تھی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قربانی کی چیز جلائی جاتی تھی جس کی چیز جل جاتی تھی وہ قبول مانی جاتی تھی اور جو مردود ہوتی تھی وہ نہیں جلتی تھی۔ بہرحال قبولیت کے پہچاننے کا جو طریقہ بھی ہو وہ زیر بحث نہیں ہے قرآن حکیم نے یہ بتایا ہے کہ ایک کی قربانی قبول ہوئی دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔

آئندہ نسل اسی کافر سے چلی لہ

شیطانی اور ربانی جذبات کی سب سے پہلی جنگ

قرآن پاک میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ... فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ

(سورۂ مائدہ) (پ ۶ ع ۵)

اور آپ (اپنی قوم کو) آدم کے دو بیٹوں کے ایک واقعہ کی خبر سنا دیجیے جبکہ دونوں نے ایک نیاز پیش کی وہ ایک سے قبول کی گئی دوسرے کی نیاز قبول نہیں کی گئی۔ اس نے کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔ (جس کی نیاز قبول کی گئی تھی) اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ صرف انہیں سے قبول کیا کرتا ہے جو اس سے تقویٰ کریں اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھائے گا تو میں ایسا نہیں کروں گا کہ تجھ کو قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاؤں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اپنے گناہ کا ذمہ دار تو ہی ہو۔ پھر تو ہی دوزخی ہوگا۔ ظالموں کی یہی جزا ہے۔ پس اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر راضی کر دیا۔ چنانچہ اس نے قتل کر دیا لہٰذا زمرہ خاسرین میں شامل ہو گیا۔

لہ ابن سعد صفحہ ۱۳ ج ۱ سکے شریعت اسلامیہ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں اپنی جان کی حفاظت بھی فرض ہے اور یہ قطعاً حرام ہے کہ حملہ آور کے سامنے گردن جھکا دے " سیرکبیر"

(باقی اگلے صفحہ پر)

اب اس کے بھائی کی نعش پڑی ہوئی ہے۔ اخوت کے فطری جذبات جوش مار رہے ہیں۔ اور اس سے زیادہ حیرانی یہ ہے کہ اس لاش کو کیا کرے۔

فَبَعَثَ اللّٰہُ ۔۔۔ الآیۃ (سورۂ مائدہ پ ۶ ۔ ع ۵)	پھر خدا نے ایک کوّا بھیجا۔ جو زمین کریدر رہا تھا تاکہ اس کو دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی (لاش) کو کیسے چھپائے۔

ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ یہ قتل شام کے وقت ہوا تھا۔ وہ صبح کو دیکھنے گیا۔ نیز یہ خیال تھا کہ اس نعش کا کیا کیا جائے۔ تب وہاں اس نے کوّے کو دیکھا۔۔۔ ارشاد ربانی یہ ہے کہ کوّے کے واقعہ سے سبق حاصل کر کے قابیل نے کہا:۔

فَقَالَ یَا وَیْلَتَا ۔۔۔ الآیۃ (سورۂ مائدہ پ ۶ ۔ ع ۵)	ہائے افسوس کہ میں اس کوّے کی برابری سے بھی قاصر رہا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ پھر وہ پچھتانے لگا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹) میں اس کو خودکشی کا درجہ دیا گیا ہے لیکن آیت کریمہ نے نہایت لطیف پیرایہ میں ایک اشارہ فرمایا ہے کہ دفاع کی صورت میں بھی مقصود دفاع ہونا چاہیے قتل کرنا مقصود نہ ہونا چاہیے چنانچہ صحیحین کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا توجہہ المسلمان الخ یعنی جب دو مسلمان تلوار لیکر ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ قاتل تو بیشک دوزخ کا مستحق ہے مقتول دوزخ میں کیوں جائے گا۔ فرمایا اس لئے کہ جذبہ اس کا بھی یہی تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکا پس آیت کریمہ نے اشارہ فرما دیا کہ حفاظت جان کی صورت میں مقصود حفاظت اور دفاع ہونا چاہیے قتل مقصود نہ ہونا چاہیے۔ پھر اس کوشش حفاظت میں اگر قتل ہو جائے تو معاف ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک سال تک اور ایک روایت یہ ہے کہ سو سال تک اس لاش کو اٹھائے اٹھائے پھرا۔ اس کے بعد کوّے کے واقعہ سے سبق حاصل کیا۔ (ابن کثیر ص ۹۴ ج ۱)

دنیا میں پہلا دفن

بہرحال کوّے کے اس عبرت آموز واقعہ کے بعد قابیل بھائی کی لاش کو پہاڑ کے نیچے لایا اور سپرد خاک کیا۔

سب سے پہلے باپ کی سب سے پہلے بیٹے کو بددعا

حضرت آدم علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر ہوئی آپ نے قابیل سے فرمایا۔ "نکل جا۔ تو ہمیشہ مرعوب رہے گا۔ جو تجھے دیکھے گا تکلیف پہنچائے گا۔"

چنانچہ جب قابیل کی اولاد بڑی ہو گئی تو جب بھی قابیل کے سامنے سے ان میں سے کوئی گذرتا اس پر پتھر پھینکتا تھا۔

قتل قابیل

قابیل کا ایک لڑکا اندھا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو ساتھ لئے جا رہا تھا۔ اتفاقاً قابیل سامنے آ گیا۔ اندھے کے بیٹے نے اندھے سے کہا کہ قابیل سامنے ہے۔ اندھے نے ایک پتھر اٹھا کر قابیل کے مارا۔ قابیل کے پتھر ایسا لگا کہ وہ وہیں مر گیا۔ اندھے کے بیٹے نے جب دیکھا کہ دادا جان مر گئے تو اس نے دہائی دی۔ نابینا باپ کو غصہ آ گیا اس نے بیٹے کے طمانچہ مارا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ وہ بھی طمانچہ کھاتے ہی مر گیا۔

اب اندھا اپنی بدقسمتی اور ان ناگہانی حادثوں پر حیران تھا۔

باپ اور بیٹے کا قاتل

یہ دنیا میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے اپنے باپ کو بھی قتل کیا اور بیٹے کو بھی۔ ایک کو پتھر سے اور دوسرے کو طمانچہ سے۔ (ابن سعد صہ ۱۴)

عبرت انگیز سزا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دُنیا میں قتل ناحق کا طریقہ سب سے پہلے قابیل نے ایجاد کیا۔ لہٰذا جو قتل بھی دنیا میں قیامت تک ہوگا۔ اس کا گناہ جس طرح قاتل پر ہوگا اُسی طرح قابیل پر بھی ہوگا۔ کیونکہ قاعدہ ہے۔

من سَنّ سنة سَیّئۃً	جو شخص کوئی برا طریقہ ایجاد کرے تو اس پر اس کا بھی
فعلیہ وزرھا الخ صحاح	بار ہوگا اور پھر جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے اس کا بھی بار اس پر رہے گا۔

ارشاد نبوی ہے۔

لا تقتل نفس ظلماً الاّ	جب بھی کوئی انسان ظلماً قتل کیا جاتا ہے۔ تو آدم
کان علی ابن آدم الاول	علیہ السلام کے پہلوٹے بیٹے پر بھی اس کا بار پڑتا ہے۔
کفل من دمھا لانہ	کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد
کان اول من سن القتل	کیا۔"

(رواہ الجماعۃ سوی ابی داؤد)

ہابیل کی قبر

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دمشق کے شمالی جانب میں۔ "قاسیون" پہاڑ کے پاس ایک غار ہے جس کو "مغارۃ الدم" کہتے ہیں۔ اہلِ کتاب کی روایت ہے کہ یہاں قابیل نے

ہابیل کو قتل کیا۔

ایک عجیب خواب

حافظ ابن عساکر نے احمد بن کثیر کی سوانح میں بیان کیا کہ احمد بن کثیر کو ایک مرتبہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت ہابیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ احمد بن کثیر نے ہابیل کو قسم دے کر پوچھا یہ خون آپ کا ہی ہے؟ حضرت ہابیل نے اقرار کیا۔ احمد بن کثیر فرماتے ہیں۔ ہابیل نے خداوند عالم سے دعا کی تھی کہ اس مقام پر دعا قبول ہوا کرے۔ ہابیل کی دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ پنجشنبہ کو اس مقام پر جاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ اگر یہ خواب صحیح ہے تو اس سے شریعت کا کوئی حکم نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہاں کسی خبر کی تائید ہو سکتی ہے؟

طوفانِ نوح کی تمہید

حضرت آدم علیہ السلام نے وصیت فرمادی تھی کہ شیث کی اولاد۔ اولادِ قابیل کے ساتھ نہ رہے اور نہ آپس میں نکاح بیاہ ہو۔ چنانچہ اولادِ شیث علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک غار میں پہنچا دیا اور نگرانی کرنے لگے کہ اولادِ قابیل میں سے کوئی آکر گزند نہ پہنچا دے اور یہی لوگ (اولادِ شیثؑ) حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کراتے اور توبہ کیا کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک بنو شیث بنو قابیل علیحدہ علیحدہ رہے۔ پھر شیث کی اولاد کو خیال ہوا کہ اپنے چچازاد بھائیوں کو چل کر خود دیکھیں۔ ان کی کیا حالت ہے چنانچہ

نشّو آدمی روانہ ہوئے۔ وہاں آوارہ عورتوں نے ان کو اپنے دام میں پھانس لیا۔ پھر اسی طرح اور نشّو آدمیوں کو خیال پیدا ہوا غرض اس طرح رفتہ رفتہ حضرت شیث ؑ کی ساری اولاد قابیل کی اولاد میں آملی اور آپس میں خوب ریل میل ہو گیا شادی بیاہ ہونے لگے۔ اور فسق و فجور عام ہو گیا۔ یہی تھے جو طوفانِ نوح میں غرقاب ہوئے۔

حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے "انوش" کو حضرت شیث ؑ کی جانشینی کا شرف ملا۔ اولادِ انوش میں سے قینان کو۔ پھر اولادِ قینان میں سے "مہالیل" کو پھر اولاد مہالیل میں سے یزد کو یا زد کو اسی یزد یا یازد کے زمانہ میں بُت بنائے گئے اور اسلام کے بجائے کفر و ارتداد پھیلنے لگا۔

یزد کی اولاد میں سے حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جن کا نام مورخین نے "ادریس" بتایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عمر شریف

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر شریف نو سو چھتیس (۹۳۶) سال ہوئی۔

وفات

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب آدم علیہ السلام کا آخری وقت تھا تو آپ نے اپنی اولاد سے فرمایا۔ "میرا جی جنت کے پھل کو چاہتا ہے۔ کہیں سے تلاش کر کے لاؤ" چنانچہ کچھ لڑکے ڈھونڈنے چلے۔ چلتے چلتے ان کو فرشتے ملے۔ فرشتوں نے دریافت کیا کہاں جا رہے ہو؟ لڑکوں نے ماجرا سُنایا۔ فرشتوں نے کہا واپس جاؤ جو کچھ ہونا تھا۔ ہو چکا۔ لڑکے واپس آئے تو حضرت

آدم علیہ السلام کی وفات ہو چکی تھی۔

پھر ملائکہ آئے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا۔ حنوط جو ایک خاص خوشبو ہوتی ہے بدن پر لگائی۔ کفن پہنایا۔ پھر بغلی قبر کھودی۔ پھر ایک فرشتہ آگے بڑھا اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ باقی فرشتے اور آدم علیہ السلام کے لڑکے اس کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو دفنا دیا اور کہا کہ اے اولادِ آدم یہ ہے تمہارے مُردوں کے لئے شرعی طریقہ۔

ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ جب فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے آئے (یعنی جب حضرت حوّا نے موت کے آثار دیکھے) تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو چمٹنے لگیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ اب الگ رہو تیرے ہی باعث مجھ کو دنیا میں آنا پڑا۔ اب تو میرے اور فرشتوں کے درمیان مت پڑو (آڑے نہ آ) اس کے بعد آدم علیہ السلام کی رُوح قبض ہو گئی۔

نیز یہ بھی مروی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا کہ تم نماز جنازہ پڑھاؤ۔ چنانچہ حضرت شیث علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی اور تیس ۳۰ مرتبہ تکبیر کہی۔ اس زیادتی سے حضرت آدم علیہ السلام کا اعزاز و اجلال مقصود تھا (طبقات ص ۱۵ ج ۱) بہت ممکن ہے پہلے فرشتوں نے تعلیماً سکھا دیا ہو۔ اس کے بعد حضرت شیث علیہ السلام سے نماز پڑھوائی گئی ہو۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ جب شب معراج میں نماز فرض ہو چکی تو اگلے روز حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو روز تک (۱۰ وقت کی) نماز پڑھائی جس میں نماز کی صورت، ترکیبی اجزا اور اوقات وغیرہ سب چیزوں کی طرف اشارہ فرما دیا اور عمل کر کے دکھا دیا۔ پھر موقع بہ موقع اس میں کچھ ترمیمات ہوئیں۔

نبوّت آدم علیہ السّلام

حضرت ابوذرؓ۔ "یا رسول اللہ سب سے پہلے نبی کون ہیں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ "حضرت آدم علیہ السلام۔"

حضرت ابوذرؓ۔ "کیا وہ نبی بھی تھے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ "بیشک ایسے نبی جن کو شرفِ مکالمہ سے نوازا گیا۔"

حضرت ابوذرؓ۔ "مرسلین کتنے ہیں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ "تین سو پندرہ" (طبقات ابن سعد صنا ج ۱)

واللہ اعلم بالصواب

حضرتِ مصنّف کی دیگر تصانیف

دورِ حاضر کے سیاسی اور اقتصادی مسائل

اور

اسلامی تعلیمات

تحریکات حاضرہ۔ کمیونزم۔ سوشلزم وغیرہ کے فلسفہ اور اسلامی تحریکات کے درمیان بنیادی فرق۔ انقلاب کا اصل میدان۔ بحران پیدا ہونے کے اسباب۔ سیاسی اور اقتصادی عوامل اور اصلاح اخلاق۔ ملکیت کی ضرورت۔ اسلام کی نظر میں شخصی ملکیت کی حقیقت۔ تمدن اور اخلاق پر خاتمہ ملکیت کے تباہ کن اثرات۔ سرمایہ کی حیثیت۔ تقسیم دولت اور اسلامی اصول۔ اقتصادی مساوات اور عوام کی خوشحالی کا نمونہ دورِ اوّل میں۔ پوری قوم کس طرح ترقی کرتی ہے۔ حکومت، ذمہ دارانِ حکومت اور عوام کے فرائض۔ مالی نظام کے اسلامی اصول اور بنیادی نظریات۔ بیت المال۔ آمد و صرف کے مدات معینہ و غیر معینہ۔ حکومتِ اسلامیہ کے رفاہی مصارف۔ شہنشاہیت سے نفرت۔ شخصی حکومت اور ملوکیت۔ دورِ حاضر کی جمہوریت اور اس کا جائزہ۔ اسلامی نظام حکومت کا مختصر خاکہ۔ وغیرہ وغیرہ بیش بہا معلومات کا ذخیرہ۔ جو نہ صرف اُردو ادب میں بلکہ اس موضوع کی تصنیفات میں بہت زیادہ قابلِ قدر اور بے نظیر اضافہ ہے۔ اس پُرآشوب دور میں کہ سیاسی نظریات کا تصادم بحران پیدا کیے ہوئے ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو قلب با احساس کے ساتھ سیاسی حالات اور اُن کے تقاضوں پر نظر رکھتا ہے۔ قیمت مجلّد پانچ روپے۔

جماعت صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی مکمّل تاریخ

عہدِ زرّیں جلد اوّل و دوم

قرآن پاک۔ احادیث مقدسہ اور سیدنا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جیسے مستند علماء کی تصانیف کی روشنی میں سیرت مقدسہ اور سیرت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مکمل مجموعہ — اس کتاب میں سب سے پہلے آیاتِ کتاب اللہ کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ نظام قدرت اور تخلیق نوعِ انسانی کے مرتب پروگرام میں جس کا سلسلہ روزِ اوّل اور عہدِ الست سے شروع ہوا ہے صحابہ کرام کی حیثیت کیا ہے' اُمتِ مسلمہ کی بنیاد کب سے پڑی ہے' کعبہ کی تاریخی حقیقت' آبادیٔ مکۂ معظمہ کی ابتدا اور اس کا مقصد' توحید اور شرک کا تصادم' اصحاب فیل کی حقیقت' اس واقعہ کے محرکات واسباب' جہاد کب سے شروع ہوا' جہاد کی حقیقت کیا ہے' ان تمام عنوانوں پر محققانہ بحث کی گئی ہے پھر حضرات صحابہ کے فضائل ومناقب سے متعلق آیتیں پوری تفسیر کے ساتھ پیش کی گئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے آئینی اور قانونی اسباب بیان کرنے کے بعد سلسلہ غزوات میں صحابہ کرام کے شاندار و بے مثال کارناموں کی تفصیلات پوری تحقیق و تفتیش اور مستند حوالوں کے ساتھ اس طرح پیش کی گئی ہیں کہ سیرتِ مقدسہ اور تاریخ اسلام کی کسی کتاب میں اس جامعیت کے ساتھ یہ تفصیلات اب تک شائع نہیں ہوئیں۔ برکت کے لئے ان تین سو تیرہ اکابر صحابہ کے اسمار گرامی کی مکمل فہرست بھی پیش کردی گئی ہے جو غزوۂ بدر میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے جن کے تذکرۂ مبارک کے وقت خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

قیمت جلد اوّل مجلّد بارہ روپے ۱۲/۔ جلد دوم مجلّد آٹھ روپے ۸/۔

خطباتِ ماثورہ باتراجم

یہ خطبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ ہیں جو تصحیح کے پورے اہتمام کے ساتھ اصل ماخذ سے مقابلہ کرکے اعلیٰ قسم کے کاغذ پر بلاکوں سے چھاپے گئے ہیں۔ نہایت واضح' صاف' کشادہ حروف۔ زیر زبر بالکل صحیح۔ حاشیہ پر رنگین بیل' ٹائیٹل اور لوح نہایت حسین۔ ان خطبات کے ترجمے بھی کر دیئے گئے ہیں بامحاورہ ہونے کے علاوہ خاص خوبی یہ ہے کہ ان میں تقریر کے انداز کا پورا خیال رکھا گیا ہے وعظ اور تقریر کی مشق کرنے والے طلباء ان کے ذریعہ بہت اچھے واعظ اور مقرر بن سکتے ہیں۔ اذان جمعہ سے پہلے یا نماز جمعہ کے بعد ان کو سنا دیا جائے تو تبلیغ واصلاح کا فرض بھی انجام پائے اور سننے والوں کو نہ سمجھنے کی شکایت بھی نہ رہے۔ ابتداء میں جمعہ اور نماز جمعہ کے فضائل وحکم اور مسائل اور احکام بہت سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ نماز جمعہ کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جمعہ کے گیارہ خطبوں کے علاوہ عیدین بقر عید' نکاح اور استسقاء کے خطبات عقیقہ اور استخارہ کی دعائیں وغیرہ بھی اس مجموعہ میں شامل کردی گئی ہیں۔

قیمت صرف ۵/۱ اور بلا تراجم کی قیمت صرف ایک روپیہ

اسلام اور انسانی جان کی حفاظت وعزت

دین فطرت اور جہاد۔ امن وآشتی کی اہمیت۔ پناہ دینے کے لئے حوصلہ کی فراخی۔ قتل مردان جان دار و عہد شکنی کے جواب میں وفاء عہد کا عجیب وغریب قانون غیر مسلم باشندگان ملک کی حفاظت۔ مظلوم اقوام اور مسلمانوں کا فرض منصبی۔ تبلیغ ودعوت کا قرآنی طریقہ۔ یہود کے متعلق قرآنی پیشین گوئی کی حقیقت۔ ان تمام عنوانات پر محققانہ بحث ہے اور ایک اخبار کے اداریہ پر تبصرہ بھی ہے بہت قابلِ قدر کتاب ہے۔ قیمت ۵۰ پیسے